وفا غیر مشروط

فیضہ سبحان علی

کہانی
ایک ایسی لڑکی کی جو وفاؤں کی ملکہ تھی
کہانی
ایک ایسے لڑکے کی جو وعدوں کا پاس رکھتا تھا۔

انتساب
میری ماں جی کے نام
جن کی وفائیں غیر مشروط ہیں۔

چلو چلو لڑکیوں، جلدی کرو، مٹھائی کی ٹوکریاں رکھ لی ہیں نا؟
جی جی خالہ، سب ہو گیا ہے۔

ارے امی، یہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ بارہ سالہ عباد نے ماں کو جلدی میں دیکھ کر پوچھا۔

بیٹا، ہم تمہاری دعا آپی کی طرف جا رہے ہیں، ان کی تمہارے چاچو سے بات پکی کرنے۔

ارے واہ! پھر کیا دعا آپی ہمارے پاس آ جائیں گی اور صرف میرے ساتھ کھیلا کریں گی؟

ہاں جی، ایسا ہی ہوگا، اب تم جلدی سے جاؤ اور تیار ہو جاؤ۔

نہیں امی، آپ لوگ جائیں، مجھے ایک ضروری کام ہے۔ آج میری آخری چھٹی ہے، میں نے ابھی گاؤں میں میلہ بھی دیکھنا ہے۔

چلو ٹھیک ہے، اپنا دھیان رکھنا۔
ٹھیک ہے۔

عباد نے فوراً اندر جا کر اپنی ماں جی کی ایک پرانی چاندی کی انگوٹھی اپنی جیب میں ڈالی اور باہر کی طرف بھاگ گیا۔

ہر طرف قطار در قطار مختلف دکانیں سجی ہوئی تھیں۔
انواع و اقسام کے کھانوں کی خوشبو ہر سو رچی بسی ہوئی تھی۔ بڑے، بچے، جوان، مرد، سب ہی میلے جیسی تقریب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ان میں سے ہی دس سالہ رانی اور شافی بھی شامل تھیں۔

شافی، چوڑیاں دیکھو، کتنی خوبصورت ہیں نا
وہ نازک سی نیلے رنگ کی چوڑیوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

ہاں، ہیں تو، لیکن اب ہمارے پاس اس کے لئے پیسے نہیں ہیں، کیونکہ تم نے تب سے کچھ نہ کچھ کھانے پر زور دیا ہوا تھا۔ ہمارے سارے پیسے تو ایسے ہی ختم ہو گئے۔" شافی نے روتی شکل بنا کر اس کی جانب دیکھا۔

اوہ تو کوئی بات نہیں، میں امی سے بولوں گی، وہ لے آئیں گی ہم دونوں کے لئے۔" رانی نے فوراً اس کی پریشانی دور کی۔ جانتی تھی جب تک چوڑیوں کی دیوانی کو چوڑیاں نہ ملیں گی تو وہ اگلے میلے تک ٹھنڈی آہیں اسی کو سناتی رہے گی۔

"سچ؟"
شافی نے فوراً خوش ہوتے ہوئے کہا۔

مچ
دونوں دوستیں ہنسنے لگیں۔

"ارے، وہ تو عباد ہے نا"
"ہاں، لگ تو وہی رہا ہے۔"

دونوں دور سے آتے عباد کو دیکھ کر بولیں۔

"رانی، کیسی ہو؟"
پاس آتے ہی عباد نے پوچھا۔

مسٹر عباد کے بچے، میں بھی یہاں ہوں، مجھے تو نہیں پوچھا! شافی نے فوراً ناراض ہوتے ہوئے کہا۔
ارے او، تم بھی ہو؟ اصل میں تم چھوٹی بہت ہو تو تم مجھے نظر ہی نہیں آئی، ٹڈی! عباد نے جان کر اس کے چھوٹے قد پر تنقید کی۔

پتا تھا وہ اب لازمی چڑے گی۔

اے عباد کے بچے، تو نے مجھے ٹڈی کہا نا؟ پھر دیکھ لینا، خود کیا ہے، زرافہ

جبکہ "زرافہ" سن کر رانی اور عباد دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ یقیناً وہ اس کے لمبے قد پر چوٹ کر رہی تھی۔

"چلو رانی، ہم گھر چلیں۔"
ساتھ ہی شافی نے رانی کو بازو سے پکڑا اور ایک طرف چل دی۔

"ارے، سنو تو رانی، میں"
شافی فوراً اس کی بات کاٹ کر بولی
!کوئی رانی نہیں"
اگر اس سے بات کرنی ہے تو پہلے مجھے سوری بولو۔
شکل دیکھی اپنی، چھپکلی کہیں کی سوری؟ اور وہ بھی تم سے؟ راجہ اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے بولا جیسے کہ رہا ہو سیریسلی
تم ابھی شافی مزید اس کی عزت میں اضافہ کرتی کہ رانی بول پڑی

اوہ چپ کر جاؤ! کب سے تم دونوں کی بک بک سن رہی ہوں، کان درد کرنے لگ گئے میرے۔
تم کیا کہنے والے تھے، راجہ؟

اب وہ عباد کی طرف مڑ چکی تھی۔

"وہ میں کل واپس جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟"
"شہر۔"

"شہر کیا کرنے؟"

امی ابو چاہتے ہیں میں آگے کی تعلیم شہر سے مکمل کروں، اور مجھے لگتا ہے بہت جلد میرے باقی گھر والے بھی وہاں سیٹل ہو جائیں گے۔
چاچو کی رہائش سے وہاں ہمیں بہت آسانی ہو گئی ہے، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی مستقبل میں اپنا گھر وہیں پر بنائیں۔

"تو پھر تم ہم سے ملنے آتے رہو گے ناں؟"
رانی نے پوچھا، جس کے چہرے پر واضح پریشانی دیکھی جا سکتی تھی۔

"ہاں، میں تم سے ملنے آتا رہوں گا۔"

"سچ؟"
"ہاں، اور یہ انگوٹھی میں تمہارے لئے لایا تھا۔"
عباد نے ساتھ ہی جیب سے انگوٹھی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"ارے، یہ تو بہت خوبصورت ہے"

"ہاں، وہ تو ہے، لیکن اب تم مجھ سے وعدہ کرو۔"

"کیسا وعدہ؟"
رانی نے انگوٹھی دیکھتے ہوئے ہی سوال کیا۔

یہی کہ تم میرے جانے کے بعد سونو اور کاکا لوگوں کے ساتھ نہیں کھیلو گی۔

ارے، تم بھی چلے جاؤ گے تو میں پھر کس کے ساتھ کھیلوں گی؟

"تم یہ ٹڈی کے ساتھ کھیل لینا نا۔"

شافی نے اسے گھور کر دیکھا، لیکن بولی کچھ نہیں، کہ اب وہ چلا جائے گا۔

"ٹڈی اوپس! مطلب شافی"
اس نے اپنی طرف سے اپنے دوست پر عظیم احسان کیا تھا۔

اللہ بچائے دوستوں کے عظیم احسانوں سے۔

اوکے، وعدہ، میں ایسے ہی کروں گی۔ لیکن

"لیکن کیا؟"
راجہ نے فوراً پوچھا کہ کہیں وہ منع ہی نہ کر دے۔

"تم جلد لوٹو گے، میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔"

واپسی کے راستے پر وہ تینوں خاموش تھے۔ وہ چھوٹے ضرور تھے، لیکن دوست تھے، اور دوست جس بھی عمر میں ہوں، وہ ضروری ہوتے ہیں۔

بارہ سال بعد

ارے رانی، اٹھ جا، صبح ہو گئی ہے۔
مجال ہے جو یہ لڑکی صبح جلدی اٹھ جائے۔

رانی جو ابھی اور سونے کی کوشش کر رہی تھی، فوراً ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

ارے اماں، مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟ دیکھیں، اب آپ کی وجہ سے میں لیٹ ہو جاؤں گی

ارے واہ، مہرانی صاحبہ! معاف کر دیں، غلطی ہو گئی ہے۔ خادمہ تو آپ کو کب سے اٹھا رہی تھی، آپ ہی کا اٹھنے کو دل نہ کر رہا تھا۔

"اچھا بس بھی اماں، آپ تو دل پر ہی لے جاتی ہیں۔"

"ہاں، لیکن رانی صاحبہ تو میں ہوں۔"

وہ یہ کہتی ہوئی چھت سے نیچے بھاگ گئی۔

"پاگل لڑکی"
امی جان بس سر جھٹک کر رہ گئیں۔

"شافی کی بچی، رک تو! کہاں بھاگ رہی ہے؟"

رانی نے شافی کو کالج میں دیکھ کر کہا، جو اس کے آتے ہی تیزی سے چلنا شروع کر چکی تھی۔

"کہاں رہ گئی تھی؟ آج پھر لیٹ"

شافی نے تیزی سے چلتے ہوئے ہی اسے گھورا۔

او چل یار، جلدی آ کر کون سا جھنڈا لگا دینا تھا؟ ویسے بھی وی آئی پی لوگ ہمیشہ لیٹ ہی آتے ہیں۔
رانی نے فخر سے کالر جھاڑتے ہوئے لمبی چھوڑی۔

شافی نے لمبی سانس بھرتے ہوئے اس پاگل کو دیکھا۔

وقت کبھی کسی کے لیے نہیں رکا۔ اب بھی وقت رانی اور راجا کو وہیں پیچھے چھوڑ چکا تھا۔

گزرے اوقات میں زیادہ کچھ نہیں بدلا تھا، بس وہ چھوٹی رانی اب ایک نوجوان لڑکی بن چکی تھی۔
لمبا دراز قد، گہری کالی آنکھیں، بھرے بھرے گال اور ٹھوڑی پر پڑتا ہوا ڈمپل جو اسے سب سے منفرد بناتا تھا۔
بلاشبہ وہ ایک حسین لڑکی تھی، لیکن وہ اتنی ہی لاپرواہ بھی تھی۔

ازکیٰ عرف رانی، سیالکوٹ سے قریب ایک گاؤں میں ہی اپنی فیملی کے ساتھ مقیم تھی۔
اس کی چھوٹی بہن، چھوٹا بھائی، اور اس کی اماں ابا یہی اس کی چھوٹی سی جنت تھی۔

کالج کے بعد قریب ہی میں کوئی یونیورسٹی نہ ہونے کی وجہ سے رانی اور شافی، اس کی بچپن کی دوست اور رازدار، کالج میں ہی آگے کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔
بی ایس انگلش کے آخری سال میں دونوں انتہائی جوش و خروش سے مگن تھیں۔

بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا، بس ایک بے چینی تھی، اور وہ تھی انتظار۔

عباد عرف راجہ ایک وعدے کے بعد کبھی مڑ کر نہیں آیا۔
بعد ازاں اس کا خاندان بھی شہر لاہور میں شفٹ ہو گیا۔
وہ تو اپنی دنیا میں ہی گم ہو گیا تھا، اور ایک یہ رانی تھی جو اس کی دی ہوئی چاندی کی انگوٹھی آج بھی گلے میں ڈالے گھومتی تھی۔

راجہ کی طرف سے تو وہ شاید ایک دوستی کا وعدہ ہی تھا، لیکن رانی کے دل میں وہ وعدہ اپنا گھر کر چکا تھا۔
یہ وعدہ اب اس کی زندگی کا کل اثاثہ تھا۔ ہاں، اس نے وعدہ پورا کیا تھا۔
اس نے عباد کے بعد کسی لڑکے سے دوستی نہیں رکھی۔
اب شافی ہی اس کی واحد دوستی تھی، جو اس کے ہر راز سے واقف تھی، اور وقفے وقفے سے رانی کو یاد کرواتی رہتی تھی کہ وہ بس بچپن میں کیا ایک دوستی کا وعدہ تھا، اسے اس قدر سر پر سوار کرنے کی ضرورت نہیں۔

لیکن یہ رانی کے بس کی بات نہ تھی۔

بچپن میں عباد، جسے سب پیار سے بادی کہتے تھے، ایک دن ضد کرنے لگا کہ اسے راجہ کہا جائے۔
وجہ یہ تھی کہ رانی کا ایک لڑکے، سائم عرف راجہ، سے دوستی تھی۔ عباد کا کہنا تھا کہ اس کا راجہ صرف وہی ہو سکتا ہے۔
اس دن سے سب عباد کو اس کی ضد پر راجہ کہنے لگے۔

اتنا عرصہ گزر گیا، اب تو شاید عباد کو یاد بھی نہ ہو کہ کوئی رانی بھی تھی۔ اور ایک یہ دیوانی تھی جسے اس کے علاوہ کسی کا خیال ہی نہ تھا۔

وہ ہم کو دل میں رکھے گا، یا دل سے اب نکالے گا
اٹھے گا جب تک یہ پردہ تجسس مار ڈالے گا

پہلے یہ صرف انتظار تھا، تو بات ٹھیک تھی، لیکن اب اس کی پڑھائی بھی ختم ہونے والی تھی۔ یہ آخری بہانہ بھی ختم ہو جانا تھا۔

اس سے آگے کیا؟

اور یہاں اس کی سوچ ختم ہو جاتی تھی۔

وہ جانتی تھی آج کل زرینہ باجی کے گھر میں بڑھتے چکر ضرور کسی نئی خبر کے گواہ ہیں، اور پھر کچھ ہی دنوں میں اس کو پتہ لگ گیا کہ اس کا خدشہ ٹھیک تھا۔
اب ابا کے کسی دور کے رشتہ دار نے اپنے بیٹے کا رشتہ بھیجا تھا۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

"شافی، اب کیا ہوگا؟"
رانی نے فکر مندی سے آنکھوں میں آنسو سموئے اپنی واحد سہیلی سے پوچھا۔

میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی، انتظار بے سود ہے۔"
جانے والے کا انتظار... اور یہ تو تھا بھی صرف ایک بچپن کی دوستی کا وعدہ۔
شافی نے تاسف سے گردن ہلا کر کہا۔

"...شافی، تمہیں کیسے بتاؤں، یہ میرے اختیار میں نہیں".. .

اگلی ہی صبح، جس کا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، وہ ہو گیا۔
صبح چھت پر دھوپ آ جانے کی وجہ سے وہ نیچے آ گئی۔
واہ، آج تو اماں اٹھانے بھی نہیں آئیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے نیچے آ رہی تھی۔

اماں..." اس کے منہ سے پوری آواز بھی نہ نکل پائی، وجہ سامنے چارپائی پر بیٹھا ہوا وہ شخص تھا۔
جس کو روز ہی تصور میں وہ یہاں بیٹھا ہوا دیکھتی تھی۔
اسے لگا وہ ابھی بھی خواب میں ہی ہے۔ اس نے فوراً سے آنکھیں مسل کر اسے دیکھا۔

لگتا ہے شافی صحیح کہتی ہے، میں تمہارے بارے میں اتنا سوچتی ہوں کہ حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔
میں واقعی پاگل ہو گئی ہوں، مجھے چٹکی کاٹنا ذرا.
اُف، میں بھی کیا کر رہی ہوں، خیالوں سے باتیں بھی شروع کر دیں۔
اب مجھے کچھ نہ کچھ کر ہی لینا چاہیے۔

یہ گوہر افشانی وہ اس کے پاس بیٹھ کر کر چکی تھی اور وہ بالکل خاموش سامعی بنا اس کی سن رہا تھا۔
اماں چائے لے کر آئیں تو اسے دیکھ کر حیران ہوئیں، جو بڑے مزے سے چارپائی پر بیٹھی اسے گھور رہی تھی۔

ارے رانی، تو کب اوپر سے نہیں آئی؟" اماں نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اماں، بس ابھی آئی ہوں... اور یہ چائے کیا میرے لیے لائی ہیں؟"

"نہیں، یہ تو میں راجہ بیٹا کے لیے لائی ہوں۔"

وہ جو بڑے مزے سے بیٹھی ہوئی تھی، ایک دم کرنٹ کھا کر اٹھی۔

کیا، اماں؟" اس نے بوکھلاتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔"

کوئی حال نہیں رانی، لگتا ہے ابھی تک تیری نیند پوری نہیں ہوئی۔

اب کے رانی نے اسے غور سے دیکھا، جو اماں سے چائے لیتے ہوئے شکریہ ادا کر رہا تھا۔

ہاں، وہ بالکل ویسا ہی تھا، بس قد عمر کی وجہ سے خاصا لمبا ہو گیا تھا۔
وہ اس کی ہم قد ہوا کرتی تھی، لیکن اب اس کے کندھوں تک بمشکل آتی ہوگی، حالانکہ وہ اچھے قد کی مالک تھی۔
گہری بھوری آنکھیں، ہلکی ہلکی داڑھی، بھورے بال جو کانوں کی لوؤں سے تھوڑا نیچے گرتے تھے۔
اسے ہمیشہ سے تھوڑے لمبے بال پسند تھے۔
اس نے اس وقت کالی پینٹ، بھوری شرٹ کے ساتھ پہنی ہوئی تھی، جس کا رنگ ہو بہو اس کی آنکھوں جیسا تھا۔

اماں تو کب سے کچن میں جا چکی تھیں، اس کے لیے ناشتہ بنانے۔
جب وہ بغور اس کا مشاہدہ کر چکی تو راجہ نے سلام کیا
"اسلام علیکم۔"

اس نے بمشکل سلام کا جواب دیا اور باہر کی طرف بھاگ گئی۔
اسے یہ خبر جلدی جلدی شافی کو سنانی تھی، ورنہ تب تک اس کے پیٹ میں درد اٹھتا رہتا۔

"شافی، شافی، سنو کہاں ہو؟"

ارے آرام سے بہن، یہ کہاں سے صبح صبح نمودار ہو گئی ہو؟
آج کا دن میرا اب خراب جانے والا ہے۔" شافی نے اس کو چڑاتے ہوئے کہا۔

جاؤ، جو بکنا ہے بکتی رہو، آج میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔" رانی نے فراخ دلی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھئی، لاٹری نکل آئی ہے یا راجہ صاحب واپس آ گئے؟"
شافی نے جان بوجھ کر ان دونوں چیزوں کے نام لیے، جو اس کے مطابق تو اس زندگی میں کم از کم رانی کے ساتھ نہیں ہو سکتے تھے۔

ارے ہاں، راجہ

واپس آ گیا

یہ چھوڑا رانی نے بم۔

کیییییییییا!!!!

شافی نے اتنی بڑی چیخ ماری کہ اس کی اماں نے اندر سے آ کر اس کو دو لگا بھی دیں کہ، کیا صبح صبح بینڈ باجا بجا رہی ہے لیکن وہ حواس میں کہاں تھی۔

"ہاں، سچ کہہ رہی ہوں، اور وہ بیٹھا بھی ہمارے ہی گھر ہے"

اتنی صبح شافی حیران در حیران ہو رہی تھی۔

"ہاں، مجھے لگتا ہے شہر سے سیدھا ہمارے گھر ہی آیا ہے۔"

بھئی، میں تو جا کر دیکھوں گی، تو یقین آئے گا۔"
تمہارا کیا ہے، تم تو ویسے بھی چوبیس گھنٹے اسے سوچتی رہتی ہو، کیا پتہ تمہیں دکھنے بھی لگا ہو۔
شافی نے مشکوک انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ دونوں جیسے ہی گھر پہنچیں، وہ بیٹھا اب ناشتہ کر رہا تھا۔
اسے صحیح سے دیکھا بھی نہیں تھا دونوں نے کہ کان میں اماں کی آواز پڑ گئی، جو اب اسے رانی کے رشتے کے بارے میں بتا رہی تھیں۔
جی بھر کر دونوں کا دل کڑوا ہوا۔

اب دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟"
پہلے وہ اکیلی کم تھی کہ اب دونوں مل کر بیچارے بچے کو گھورے جا رہی ہو

وہ جو دونوں کب سے پاگلوں کی طرح اسے دیکھ کم، گھور زیادہ رہی تھیں، امی کی بات پر خجل سی ہو گئیں۔

اُف امی، ہم تو ناشتے کو دیکھ رہے تھے"
جلدی جلدی میں جو بھی منہ میں آیا، رانی نے بول دیا۔

جی آنٹی، وہ ہمیں ناشتہ دے دیں، بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔ شافی نے جلدی سے بات سنبھالی۔

اچھا، تم دونوں بیٹھو اور بھائی کو کمپنی دو، میں لے کر آتی ہوں۔

ان کے "بھائی" کہنے کی دیر تھی، شافی کی تو ہنسی نکل گئی۔

"جی جی آنٹی، ہم ہیں نا بھائی جی کے پاس۔"

وہ کوئی غیر تو نہیں تھا، ساتھ میں پلے بڑھے تھے، کھیلے کودے، سب مستیاں ساتھ میں کی تھیں۔
لیکن اب شاید اتنے عرصے بعد مل رہے تھے، اور اب عمر بھی کہاں پہلے والی تھی، تو عجیب سی جھجک آ رہی تھی۔ شافی تو "بھائی" والے القاب پر ابھی تک کھڑی ہنس رہی تھی۔

اب تم کیا گدھوں کی طرح ہنسے جا رہی ہو؟ بیٹھ جاؤ۔" رانی نے اس کو دانت پیستے ہوئے کہا۔

وہ دونوں سامنے پڑی ہوئی چارپائی پر پھر بیٹھ گئیں۔

اب سین کچھ ایسا تھا کہ راجہ کی ایک سائڈ ان دونوں کی طرف تھی، جو مزے سے کھانا کھانے میں مصروف تھا، جیسے اتنی دیر سے کھانا کھانے ہی آیا ہو۔
دونوں اس کو یوں اجنبی بنے بیٹھے دیکھ کر اندر ہی اندر کڑ رہی تھیں۔

"ارے رانی، سن"
بالآخر شافی نے رانی کو ہی مخاطب کیا۔

"ہاں، کیا ہے؟"
رانی صبح سے جتنی خوش تھی، اب اتنی ہی اکتائی ہوئی تھی۔
وجہ اس مغرور انسان کا ایک بار بھی مڑ کر انہیں نہ دیکھنا تھا۔

انسان ایسا ہی ہے، ناشکرا۔
اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔
ظاہر ہے، خالق سے زیادہ مخلوق کی نفسیات کو اور کون جان سکتا ہے۔

رانی کو بھی دس سال سے صرف ایک خواب، ایک خیال، ایک خواہش تھی کہ کسی طرح وہ واپس آ جائے۔
اور جب وہ واپس آ گیا، اب اسے یہ بے چینی تھی کہ اسے پہچان کیوں نہیں رہا؟ اسے بات کیوں نہیں کر رہا؟ اس پر دس سالوں میں جو گزری، اس کا حساب کون دے گا؟

اس وقت غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔
شافی جانتی تھی، اب اگر اس نے ایک بار بھی رانی کا نام لیا تو وہ رو دے گی۔
ایسی ہی تھی وہ نازک اور بہت جلد رو دینے والی۔
حالانکہ وہ بچپن سے ایسی نہ تھی، وہ بہت ہمت والی اور نڈر بچہ ہوا کرتی تھی۔
لیکن وقت سب کچھ بدل دیتا ہے۔
باہر کے لوگوں کے لیے وہ آج بھی ویسی ہی تھی، لیکن شافی جانتی تھی۔

،دس سالوں کے اس لفظ "پتہ نہیں " وہ آئے گا یا نہیں
وہ اسے یاد ہوگی یا نہیں، وہ بھی اسے اتنی شدت سے محبت کرتا ہوگا یا نہیں
بس یہ ایک لفظ "پتہ نہیں" اسے زندگی کے اس دوراہے پر لے آیا تھا۔

"امی کچن سے باہر آئیں، "ارے عباد بیٹا، اور لو گے؟

"نہیں نہیں آنٹی، بس میں نے کھا لیا۔"

آنٹی، آپ اسے عباد کہہ رہی ہیں؟ آپ بھول گئیں، اس کا نام راجہ ہے۔ شافی نے اس سے بات کرنے کے بہانے سے کہا۔

بیٹا، میں بھی یہی کہہ لیتی، لیکن عباد نے کہا کہ اب وہ یہ سب بھول چکا ہے، اور سب اسے عباد ہی کہتے ہیں، اس لیے میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔
اتنا وقت تو ہو گیا نا، بھول جاتے ہیں ویسے بھی بچے

بس یہ رانی کے صبر کی انتہا تھی۔

کیا مطلب "بھول جاتے ہیں بچے"؟
وہ بھی تو بچی تھی، وہ تو نہ بھولی تھی۔

اسے تو سب روزِ اول کی طرح یاد تھا۔ پھر وہ کیسے بھول گیا؟ کیا وہ اتنی غیر اہم تھی کہ اسے ایک دوست کے طور پر بھی یاد نہ رکھ سکا؟

اگر وہ تھوڑی دیر اور یہاں بیٹھتی تو یہیں بلک بلک کر رو دیتی۔
اس لیے وہ فوراً سے بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئی اور چھت پر چلی گئی، تاکہ کوئی اسے روتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔
لیکن اس کی آنکھوں کی نمی پھر بھی نہ چھپ سکی۔

اس کو کیا ہوا ہے؟ "۔امّی تو باقاعدہ گھبرا ہی گئی تھیں۔"
ارے آنٹی، کچھ نہیں، آتے ہوئے راستے میں چھوٹے سے بچے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔
تب سے اس کا دل گھبرا رہا ہے۔
آپ کو تو پتا ہے اس کا۔ "شافی نے فوراً کہا۔
کوئی حال نہیں اس لڑکی کا، پتا نہیں کیا بنے گا۔امی کہتی ہوئیں اندر کچن میں چلی گئیں۔
شافی نے غصے بھری نظر سے عباد کو دیکھا اور رانی کے پیچھے اوپر بھاگ گئی۔
پیچھے وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔
جیسے کہہ رہا ہو میں نے کیا کیا؟۔

اُف، اتنے معصوم عباد صاحب
شافی بھاگ کر اوپر آئی تو دیکھا وہ بری طرح رو رہی تھی۔
پورا کمرہ اسکی ہچکیوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا ۔
شافی کو پہلی دفعہ لگا کہ وہ آج اسے نہیں سنبھال پائے گی۔
ارے رانی، کیا ہو گیا؟ ایسے کیوں رو رہی ہو؟
حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہے، مگر کیا کرتی، کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔
شافی، تم نے سنا؟
تم نے سنا اُس نے کیا کہا؟
اُس نے کہا کہ وہ سب بھول گیا ہے۔
شافی، وہ بمشکل ہچکیوں کے درمیان بول پا رہی تھی۔
اس کی آنکھیں رونے کے باعث سرخ ہو چکی تھیں اور اس کا وجود ہچکیوں سے ہل رہا تھا۔
اس نے کہا۔
اُس نے کہا... مطلب وہ مجھے بھول گیا ہے۔
وہ، جس کے علاوہ میں نے سب کو بھلا دیا تھا۔
شافی، وہ مجھے بھول گیا ہے۔
میں تو اسے یاد ہی نہیں رہی۔

شافی، تم صحیح کہتی تھی، میں ہی بے وقوف تھی۔
کیسے بچپن کے ایک چھوٹے سے وعدے کو دل سے لگا بیٹھی؟ میں سوچتی تھی وہ میری کل کائنات ہے، میں اس کی دنیا تو ہوں گی ہی نا؟ میں نے کتنی دعائیں کی تھیں شافی؟
شافی بولو نا
اور شافی کو آج پتا لگا تھا وہ اپنے دعووں میں کس قدر سچی تھی۔ اسے لگتا تھا یہ سب بس وقتی جذبات ہیں، رانی کو دکھ ہوگا پھر بھول جائے گی، لیکن آج، آج اس کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا رانی تو راجہ کے بغیر کچھ بھی نہیں۔
وہ تو اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔
شافی، شافی!" رانی ابھی بھی زارو قطار روتے ہوئے اپنی فریاد کر رہی تھی۔
تم تو گواہ ہو نا، میں نے ہر دعا میں اسے مانگا، ہر سانس کے ساتھ اس کے آنے کی دعا کی ہے ۔
تم تو جانتی ہو نا، میں نے اس کے ساتھ کوئی غلط تعلق قائم نہیں کیا، بس اسے اللہ سے مانگا تو یہ کیا ہو گیا؟
"شافی، یہ کیا ہو گیا؟

رانی پلیز میری جان، خود کو سنبھال لو۔
وہ جو رانی کو چپ کروانے آئی تھی، اب خود پاگلوں کی طرح اس کے ساتھ رو رہی تھی۔
شافی، تم تو میری دوست ہونا، خدا کے لیے کچھ کرو ورنہ تمہاری دوست مر جائے گی۔
پلیز کچھ کرو۔
شافی اس کی بات سنتے ساکت ہوئی، اس کا اب صحیح معنوں میں سر گھوم رہا تھا۔
یا میرے اللہ، اب میں کیا کروں؟
اچھا رانی، میری بات سنو، تم رونا بند کرو۔
آنٹی اوپر آگئی تو پریشان ہو جائیں گی۔
میں ان سے کیا کہوں گی؟
چلو اٹھو، اوپر بیٹھو، میں تمہارے لیے پانی لاتی ہوں
شافی، وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ کیا وہ مجھے دوست کے طور پر بھی یاد نہیں رکھ سکا؟
وہ کہہ رہا ہے اُسے "راجا" نہ کہو۔
کیا تمہیں یاد نہیں؟
جب اُس نے بچپن میں کتنی ضد کی تھی کہ اُسے "راجا" ہی کہا جائے؟
ہاں، میں نے دیکھا، لیکن تم فکر مت کرو۔
یہ لو، پانی پیو اور اپنی حالت درست کرو۔
خالہ تمہارا پوچھ رہی تھیں۔
میں ہوں نا، تمہاری دوست۔
تم فکر نہ کرو، میں اس سے بات کروں گی، میں اس سے پوچھوں گی اور اسے سب بتاؤں گی۔
تم فکر نہ کرو، تمہاری دوست ہے نا، وہ اُسے تمہارے لیے لے آئے گی۔
کیا سچ میں؟
ہاں، سچ میں۔
شافی نے اسے پانی پلایا اور اس کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگی کہ وہ اپنی دوست کے لیے کیا کر سکتی ہے۔
لیکن یہ تو طے تھا کہ وہ اپنی دوست کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گی۔

مانا کہ تیری دید کے نہیں ہوں قابل،
تو میرا شوق دیکھ، میری دید دیکھ۔

اگلے تین دن تک شافی اسے ڈھونڈتی رہی۔
نہ اسے ملنا تھا اور نہ وہ ملا۔
اسی دن سے رانی بخار میں مبتلا تھی۔
اللہ اللہ کر کے وہ آج کالج آئی تھی۔
ارے رانی! شکر ہے تم آ گئیں۔
تمہیں پتا بھی ہے، تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگتا، پھر بھی مزے سے گھر بیٹھی ہوئی تھیں۔
رانی نے جواباً بس اداس سی مسکراہٹ دی، مگر کچھ نہ بولی۔
چلو، کلاس میں چلتے ہیں۔
ارے! ایک مزے کی بات بتانا تو میں بھول ہی گئی۔"
شافی نے فوراً گھوم کر اس کے سامنے آتے ہوئے خوشی سے کہا۔
.اس ہفتے کالج والے ہمیں فارغ کر دیں گے
لیکن پیپرز میں ابھی دو مہینے باقی ہیں نا"رانی نے فوراً پوچھا۔
ہاں،بس کالج انتظامیہ کا فیصلہ ہے کہ سلیبس مکمل ہو چکا ہے ۔
اس لیے بچوں کو فارغ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ گھر بیٹھ کر آرام سے تیاری کر سکیں۔
ہمم، یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن اس میں مزے کی بات کہاں ہے؟
ارے، وہی تو بتانے لگی تھی۔

اس ہفتے چھٹی اور اگلے ہفتے ہماری فیئر ویل پارٹی ہے۔
اوہ، شاباش
تو تمہیں اس کی اتنی خوشی ہو رہی ہے"؟۔رانی نے حیرانی سے پوچھا۔"
ہاں، اور کیا
اس منحوس کالج اور پڑھائی سے جان چھوٹے گی، اور ایک غریب کو اور کیا چاہیے؟
ارے بہن، آہستہ بولو۔
کیوں چاہتی ہو کہ کالج والے ہمیں تمہاری گوہر افشانی سن کر آج ہی نکال دیں۔
ہاں تو نکال دیں، میں ان سے کوئی ڈرتی ورتی نہیں ہوں۔
.شافی نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے ایک ادا سے کہا
ارے پرنسپل صاحبہ، آپ؟
رانی ایک دم پیچھے مڑتے ہوئے بولی
"کدھر؟ کدھر ہیں؟"
شافی گھبرا کر فوراً پیچھے مڑی۔
ہاہاہاہاہا۔۔۔
رانی زور زور سے ہنس رہی تھی، اور یہ اس کی تین دن بعد کی پہلی ہنسی تھی۔
شافی نے جواباً اسے گھور کر دیکھا، مگر کہا کچھ نہیں۔
ساتھ ہی دل ہی دل میں اس کی ہمیشہ خوش رہنے کی دعا کرنے لگی۔
وہ دونوں ایسی ہی تھیں۔
اکٹھے ہوتے ہی ہر دکھ، ہر غم سے آزاد!۔
دوست ہوتے ہی ایسے ہیں شاید۔۔۔
وہ رشتے جن میں وفا غیرمشروط ہوتی ہے، جن میں خون کے رشتوں جیسا کوئی تعلق نہیں ہوتا، مگر وہ خون کے رشتوں سے بھی زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔
بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان اپنے گھر والوں سے بھی نہیں کر پاتا۔
جج ہونے کا خوف انسان کو ہر وقت رہتا ہے۔
لیکن دوست ایک ایسی مخلوق ہوتے ہیں جن کے ساتھ انسان جانتا ہے کہ وہ اسے کسی بھی حال میں جج نہیں کریں گے۔
ان کے سامنے آپ بلا جھجھک رو بھی سکتے ہیں اور دل بھی ہلکا کر سکتے ہیں۔
غرض، دوست انمول ہوتے ہیں۔
میرے نزدیک تو دوست بھی اللہ کی نعمت ہی ہوتے ہیں، اور یہ نعمت ہر کسی کو میسر نہیں ہوتی۔
دوستی میں یہ فرق نہیں پڑتا کہ آپ امیر ہیں یا غریب، نیک ہیں یا بد، کالے ہیں یا گورے، لمبے ہیں یا چھوٹے۔
اگر آپ کے پاس یہ نعمت ہے تو اس کی قدر کریں۔

اگلے دو مہینے کیسے گزر گئے، پتہ ہی نہیں چلا۔
اب وہ اپنے پیپرز سے فارغ ہو چکی تھی۔
آج وہ شافی کے گھر آئی ہوئی تھی۔
کیونکہ آج اس کی بات پکی ہونے کی رسم تھی اور ساتھ ہی شادی کی تاریخ بھی طے ہونی تھی۔
شافی کی منگنی اس کے میٹرک کے وقت ہی اس کے تایا زاد حیدر کے ساتھ ہو گئی تھی۔
شافی کے گھر والوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شادی اس کی پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ہی کریں گے۔
اس پر دونوں طرف سے کوئی اعتراض نہیں تھا، کیونکہ وہ خود بھی پڑھے لکھے لوگ تھے اور یہی چاہتے تھے۔
اس وقت شافی نے خوبصورت ٹی پنک رنگ کی لمبی، پاؤں کو چھوتی میکسی پہن رکھی تھی۔
ہلکا سا میک اپ اور نفیس سی جیولری میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔
اس پر اس کا شرماتا ہوا سا انداز سب کے لیے حیرت کا باعث بنا ہوا تھا، خاص طور پر رانی کے لیے۔
کیونکہ شافی شروع سے ہی کوئی دبے مزاج کی لڑکی نہیں تھی۔
وہ بہت ہوشیار اور ذہین لڑکی تھی۔
دراز قد، مناسب سراپا، خوبصورت ہلکی براؤن آنکھیں اور لمبے گھٹنوں تک آتے بھورے بال۔

بلاشبہ، وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔
اسے شروع سے چھوٹے بال پسند تھے اور وہ رکھتی بھی چھوٹے ہی تھی۔
لیکن میٹرک کے بعد سے اس نے بال کٹوانا چھوڑ دیئے تھے۔
کیونکہ منگنی میں اس نے اپنی بڑی نند کو کہتے سن لیا تھا کہ حیدر، اس کے منگیتر کو لمبے بال بہت اچھے لگتے ہیں۔
تب سے نامحسوس طریقے سے اس نے اس کی پسند کی تکریم کر لی تھی۔
جس پر رانی اسے بہت چیھڑتی تھی۔
کیونکہ وہ لوگ کزن تھے اس لیے ایک دن حیدر کسی کام سے ان کے گھر آیا۔
تو اس کے لمبے بال دیکھ کر جو ابھی بس کمر تک ہی آتے تھے، حیران رہ گیا۔
کیونکہ وہ جانتا تھا اس پاگل لڑکی کو چھوٹے بال بہت پسند تھے۔
یہ کیا تم نے بال کب بڑے کر لیے اور کیوں؟" اس نے حیرانگی سے اسے پوچھ ہی لیا۔
وہ جو سارا دن رانی کے ساتھ پھرتی رہتی تھی، ہر لڑکے لڑکی کے بارے میں اسے ساری معلومات ہوتی تھیں ، اب اس کے سامنے نروس ہو رہی تھی۔
وہ رانی کے بال لمبے ہیں نا تو میں نے بھی کر لیے۔"اسنے فوری کہ دیا۔
واہ بڑی بات ہے!۔
ابھی وہ کہتا پلٹنے ہی لگا تھا کہ اس کی اگلی بات نے پاؤں روک لیے۔
یہ کہتے ہوئے بھی حیدر فل سیریس موڈ میں کھڑا تھا۔
بس اسکے ہونٹوں پر جھلکتی ہنسی سے پتا لگ رہا تھا وہ محض اسکی وجہ سے خود کو ہنسنے سے باز رکھے ہوئے ہے۔
یہ سنتے ہی شافی کے گال لال ہوئے تھے۔
بھاگتے ہوئے وہ کمرے کی طرف گئی لیکن دروازے پر رک کر کہنے لگی۔
مجھے پتا ہے لیکن مجھے اچھا لگا خود کو آپ کی پسند میں رنگ کر۔
یہ کہتے ہی وہ دروازہ بند کر گئی۔ حیدر اس کی بات سنتا بھرپور انداز میں مسکرایا۔
پاگل لڑکی
یہ لیں شافی کے لئے ایک اور لقب۔
ابھی جولائی کا مہینہ تھا اور اکتوبر کی اٹھائیس کو شادی کا دن مقرر کیا گیا تھا۔
رانی خوشی خوشی سب کو مٹھائی کھلا رہی تھی۔
ارے آپ بھی، آپ بھی لے نا
وہ شافی کی بہن ہونے کا کردار پورے خلوص سے نبھا رہی تھی۔
ابھی وہ جاتی کہ پیچھے سے آواز آئی۔
ہمیں بھی دے دیں مٹھائی، ہم بھی آپ کے دلہا میاں کے بھائی لگتے ہیں۔ رانی نے ایک نظر اسے دیکھا۔
جو چوبیس پچیس سال کا ایک خوش شکل لڑکا تھا۔
یہ لیں، لے لیں! رانی نے فوراً پلیٹ اس کے سامنے کر دی۔ اسے جلدی سے شافی کے پاس جانا تھا۔
کیا آپ سنگل ہیں؟۔
وہ جو جانے کے لیے مڑی ہی تھی، اس کی بات سنتے حیرت سے دوبارہ اس کی طرف مڑی۔
کیا کہا آپ نے؟"۔ رانی نے حیرت اور غصے کے ملے جلے لہجے میں پوچھا۔"
پلیز، مجھے غلط مت سمجھیں۔"
میں کوئی آوارہ قسم کا لڑکا نہیں ہوں۔
میں عزت سے اپنے گھر والوں کو آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔
میں آپکو بہت پسند کرتا ہوں۔
ابھی سے نہیں شافی اور بھائی کی منگنی والے دن سے، جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔
اس نے ایک لمحے کو رانی کی آنکھوں میں دیکھا، پھر دھیمے مگر مضبوط لہجے میں بولا
میری شرافت کی یہ گواہی کافی ہونی چاہیے کہ میں نے کبھی آپ سے کوئی غلط بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔
"نہ کبھی کوئی غلط پیغام بھیجا، نہ آپ کے راستے میں آیا، اور نہ کبھی آپ کی عزت کے لیے کوئی خطرہ بنا۔
رانی نے ایک گہری سانس لی۔
"آپ کا شکریہ"

لیکن پلیز یہ زحمت نہ کیجیے۔
میری پہلے ہی منگنی ہونے والی ہے۔
یہ کہتے وہ پلٹ گئی۔
اور اگلے ہی لمحے وہاں سے غائب ہو گئی۔
شاذ حیرت سے وہیں کھڑا رہ گیا۔
کیونکہ اس کے علم میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔
اس نے تو سب کچھ پہلے معلوم کر کے ہی اس سے بات کی تھی۔
مگر اب یہ بات طے تھی کہ وہ کچھ نہیں کرے گا۔
لڑکی نے عزت سے انکار کر دیا تھا
اور اگر سامنے والا واقعی مرد ہو تو وہ انکار کو انا کا مسئلہ نہیں بناتا۔
اُس دن رانی اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر کچھ کر رہی تھی کہ اماں کمرے میں آ گئیں۔
رانی بیٹا ، تیاری کر لو، شافی کو بھی بلا لو۔
وقت بہت کم ہے۔
"تم بس اپنی شاپنگ کر لینا، باقی سب میں اور تمہارے ابا دیکھ لیں گے۔
رانی نے چونک کر دیکھا۔
امی؟ کس چیز کی تیاری؟"
تمہارے نکاح کی
چلو میں ذرا باقی کام دیکھ لوں۔
تمہارے ابا کے کام بھی ایسے ہی جلدی کے ہیں۔
شکر ابھی بس نکاح ہی کریں گے۔
.امی اور بھی بہت کچھ بول رہی تھیں
شاید جلدی کرنے کی کوئی وضاحتیں لیکن وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔
وہ گم سم سی بیٹھی تھی۔
صبح سے شام ہو گئی۔
لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی۔
شام کے وقت شافی دوڑتے ہوئے آئی ۔
غالباً اسے ابھی خبر ملی تھی۔
رانی یہ کیا؟ شافی اس سے زیادہ حیران تھی۔
شافی کو لگتا تھا کہ بس اب کے رانی کو ضرور کچھ ہو جائے گا۔
وہ جانتی جو تھی کہ وہ کتنے چھوٹے دل کی تھی۔
لیکن شافی کی حیرانگی کی کوئی حد نہیں رہی جب پورا ہفتہ رانی نے بہت سکون سے گزار لیا۔
کوئی بہت زیادہ تبدیلیاں بھی نہیں آئیں۔
ہاں بس اس کی نمازیں لمبی ہو گئی تھیں۔
اور وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی دعا مانگنے میں مشغول ہوتی
ہاں اس نے اپنی شاپنگ خود نہیں کی تھی۔
اس کی سب چیزیں شافی نے ہی خریدی تھیں۔
نکاح کا جوڑا اور زیور اس کے سسرال سے ہفتہ کی شام کو ہی آ گیا تھا۔
آج اتوار کا دن تھا۔
اور شام کو نکاح کی رسم کی جانی تھی۔
صبح سے رانی کی آنکھیں خشک نہیں ہو رہی تھیں، ایسے لگ رہا تھا پورے ہفتے کا صبر آنسوں سے ہی نکل جائے گا۔
البتہ اس کے چہرے سے وہ مطمئن نظر آتی تھی، گویا اس نے تقدیر کے بے رحم فیصلے کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہوں۔
شافی اور رانی دونوں اس وقت پالر میں تھیں۔
شافی نے ہلکے فیروزی رنگ کی پاؤں کو چھوتی فراک پہن رکھی تھی، ہلکا سا میک اپ اور ہاتھوں میں گجرے تھے۔

وہ خوبصورت لگ رہی تھی، کانوں میں سلور رنگ کے جھمکے، ہاتھوں میں سلور ہی رنگ کی چوڑیاں تھیں، نیچے سلور رنگ کی ہیل پہنے وہ تیار کھڑی تھی۔
رانی کا میک اپ بھی ہو چکا تھا، بس اب بیوٹیشن اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ رانی نے آف وائٹ کلر کا شرارہ اور ساتھ آف وائٹ کلر کی ہی کُرتی پہن رکھی تھی۔
قمیض کے دامن پر، گلے پر اور بازوں پر گولڈن کڑھائی ہوئی تھی۔
ہاتھوں میں سرخ گلاب اور موتیے کے گجرے، لائٹ سے میک اپ نے اس کے نقوش کو اور تراش دیا تھا۔
وہ خوبصورت تو سادگی میں بھی لگتی تھی، لیکن اس کے سوگوار سراپے کے ساتھ اس وقت وہ حسین ترین لگ رہی تھی۔
رانی دیکھو تمہاری مہندی کا رنگ کتنا گہرا آیا ہے۔
لگتا ہے تمہارے شوہر تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔
اب کہ وہ رانی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ شافی کے علاوہ وہاں اس کی اور بھی بہت سے کزنیں اور دوستیں شامل تھیں۔
ان میں سے ہی ایک کزن سحرش اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی
ساری لڑکیاں اسی طرح اس سے نوک جھونک میں مصروف تھیں۔
شافی کے لبوں پر بھی آسودہ سی مسکان تھی۔
کیونکہ وہاں صرف وہ ہی رانی کے دل کا حال جانتی تھی۔
اس ایک ہفتے میں وہ ہر وقت رانی کے ساتھ تھی کہ بس کسی بھی وقت اسے اپنی دوست کی ضرورت ہو سکتی ہے۔
اسے لگا تھا رانی بہت روئے گی تو اسے کوئی سنبھالنے والا اور سننے والا ہونا چاہیے۔
لیکن اس پورے ہفتے میں ایک دفعہ بھی رانی نہ روئی، نہ اس نے راجہ کا ذکر کیا۔ اسے دیکھ کر شافی نے بھی دانستہ راجہ کا ذکر نہ کیا۔
ہاں رانی سے ایک دفعہ اس نے بس پوچھا تھا کہ کیا وہ خوش ہے؟
آگے سے رانی بولی، تم جانتی ہو شافی میں ہمیشہ ہر حال میں اللہ سے راضی رہی ہوں۔ اور اللہ نے بھی تو زندگی کے ہر لمحے میں مجھے عطا ہی کیا ہے۔
ہاں اب ایک میری خواہش تھی، ٹھیک ہے وہ پوری نہیں ہوئی۔
بے شک اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت ہوگی۔
وہ ہر شے پر قادر ہے۔
کیا وہ میری اتنی چھوٹی سی حسرت پوری نہیں کر سکتے تھے؟
اب میں کوئی بھی نا شکری کر کے یا کفریا کلمات ادا کر کے اپنے اللہ کو نراض تو نہیں کر سکتی نا۔
ظاہر ہے اگر ایسا نہیں ہوا جیسا میں نے چاہا تھا تو اس میں ہی میرے لئے کوئی بہتری ہوگی۔
اب میں اگر اس کی نا شکری کروں تو یہ تو خود غرضی ہوگی نا؟
شافی اس کی سنتے خاموش ہو گئی۔
ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ باہر سے نکاح کا شور اٹھنے لگا۔
چونکہ آج صرف نکاح تھا، اس لئے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔
دلہے کی طرف سے بھی صرف اس کی فیملی اور خاص لوگ ہی شریک ہوئے تھے۔
تھوڑی دیر میں رانی کے والد محمد علی نکاح خواں اور چند گواہوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔
رانی کے اوپر بڑا سا سرخ دوپٹہ ڈال دیا گیا۔
ازکیٰ ولد محمود احمد ، آپ کا نکاح عباد ولد شہباز کے ساتھ بحق مہر پانچ لاکھ سکہ راجب الوقت طے کیا جاتا ہے۔
کیا آپ کو قبول ہے؟
اس وقت اگر کوئی سناٹوں کی ذد میں تھا تو وہ رانی ہی تھی۔
اسے لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔
لیکن جب نکاح خواں نے دوبارہ پوچھا
ازکیٰ ولد محمود احمد ، آپ کا نکاح عباد ولد شہباز کے ساتھ طے کیا جاتا ہے۔
کیا آپ کو قبول ہے؟
جھٹکا شدید تھا، وہ کوئی جواب ہی نہیں دے پا رہی تھی۔
اس کی والدہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا، بولو بیٹا۔
تب سب کو اس کی مرمری آنسوں سے لبریز آواز آئی۔

قبول ہے
قبول ہے
قبول ہے۔
کیا رب اس طرح بھی مہربان ہوتا ہے؟
کیا وہ اپنے بندوں کی اس طرح بھی دعائیں قبول کرتا ہے یا یہ معجزہ صرف رانی کے ساتھ ہوا تھا؟
سب لوگ اب باہر جا چکے تھے۔
ہر طرف مبارک ہو مبارک ہو کی آوازیں آرہی تھیں۔
خوشیوں کا سماں تھا۔
ہر طرف ایسے جیسے خوشیوں کا تانتہ بندھ چکا تھا۔
نکاح کے فوراً بعد کھانے وغیرہ کا انتظام بھی شروع ہو گیا۔
شافی اور رانی ہی بس کمرے میں رہ گئیں۔ وہ دونوں یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔
دونوں ہی صدمے سے گونگ تھیں۔
اس حالت میں سب سے پہلے حرکت شافی کی آنکھوں کے پتلیوں نے کی اور ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک چیخ برآمد ہوئی۔
اب کی باری ہوش میں آنے کی رانی کی تھی۔
شافی دوڑ کے اس کے گلے لگ گئی۔
مبارک ہو رانی، مبارک ہو۔
اللہ نے تمہاری سن لی۔
رانی نے ابھی تک ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔
وہ اٹھی اور جائے نماز بچھا کر فوراً سجدہ میں گئی اور اپنے اللہ کا شکر ادا کیا۔
جس اللہ نے اسے اتنا نوازہ تھا۔
سب سے پہلے شکریہ کا حق دار بھی تو اس کا اللہ ہی تھا نا۔
وہ جو سات دن تک سولی پر لٹکی ہوئی تھی، وہ جو سات دن تک کی اذیتیں اپنے اندر رکھتی آئی تھی۔
اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے اللہ ایسے بھی عطا کر سکتے ہیں۔
شافی ابھی تک اس کو دیکھ رہی تھی۔
رانی کا جسم مسلسل ہچکولے کھا رہا تھا، یعنی وہ زار و قطار رو رہی تھی۔
پھر کتنی دیر گزری، رانی نے ابھی بھی سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔
اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اگر ابھی بھی شافی نے اسے نہ اٹھایا تو وہ ایسے ہی ساری زندگی سجدہ ریز ہو کر گزار دے گی۔
شافی نے آگے ہو کر اس کے کندے سے پکڑ کر اٹھایا، "بس کرو پاگل اور کتنا روگی؟" شافی روتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
اب کے منظر بدلا تھا اور وہ دونوں بیڈ پر ایک دوسرے کو گلے لگائے ہوئے تھیں۔
شافی نے رانی کو یوں خوش دیکھ کر اپنے اندر تک سرشاری محسوس کی۔
دوست ایسے ہی ہوتے ہیں، دوستوں کی خوشی میں خوش اور اس کے غم میں بالکل پاگل ہو جانے والے۔
وہ دونوں بہت خوش نصیب تھیں کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھیں۔
رات کا وقت ہوا تو سب رشتے دار کھانا کھا کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔
دلہے کے گھر والے بھی گاؤں میں ہی موجود اپنے گھر جا چکے تھے۔
اس وقت سب گھر والے آرام دہ ہو کر صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔
رانی اور شافی بھی لباس تبدیل کر چکی تھیں اور اس وقت سب کے ساتھ چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
دیر تک سب لوگوں کی گپ شپ لگتی رہی۔
سب تھک بھی بہت چکے تھے اس لئے آہستہ آہستہ سب اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔
اب صرف وہاں رانی، شافی، عاشی رانی کی چھوٹی بہن اور مجتبیٰ اس کا چھوٹا بھائی رہ گئے تھے۔
ارے یاد آیا مجتبیٰ ذرا آج والی تصویریں تو دکھاؤ جو تم نے بنائیں۔ اچھا رکے میں کمرے سے کیمرہ لے کر آتا ہوں۔
اس نے کیمرے کو ایل ای ڈی سے اٹیچ کر دیا۔ اب ایک ایک کر کے وہاں پر آج کے ایونٹ کی ساری تصویریں ڈسپلے ہونے لگیں.
اگلی صبح سب معمول پر آ گیا۔

ہاں بس جو معمول پر نہیں تھا، وہ رانی کا دل تھا۔
دل تھا کہ یقین کر ہی نہیں رہا تھا، اور جس پر یقین آ جاتا، فوراً دل سجدہ ریز ہو جاتا۔
دنیا میں واقعی معجزے ہوتے ہیں، یا کم از کم رانی کے ساتھ تو ہوئے ہی تھے۔

گھر والوں کی مزید بات چیت سے ناشتے پر ہی یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ نکاح آناً فاناً ضرور ہوا، لیکن شادی کے لیے پورے دو مہینے کا وقفہ حائل تھا۔
یقیناً یہ وقت ہر طرح کی تیاری کے لیے تھا۔

کچھ دن بعد

شافی، کیا یہ واقعی حقیقت ہے یا میرے خوابوں نے زندہ رنگ اوڑھ لیے ہیں؟

ارے پگلی! دو ہفتے ہو گئے ہیں، اب تک تجھے یقین ہی نہیں آیا؟ شافی نے حیرانگی سے پوچھا۔

”یقین... پتہ نہیں، کبھی آ جاتا ہے، کبھی چلا جاتا ہے۔“

اچھا جی، تمہیں مزے کی بات بتاؤں؟” شافی کو جیسے فوراً کچھ یاد آیا ہو۔

ہاں، بتاؤ۔” رانی بھی متوجہ ہوئی۔“

”وہ آپ کے ‘وہ’ ہیں نا، ابھی تک لاہور واپس نہیں گئے۔“

”کون وہ؟“

...ارے وہ
ارے بہن! اس وہ کا کوئی نام بھی تو ہوگا نا؟
”بہن، آپ کے کتنے ‘وہ’ ہیں؟

”وہ مطلب... اوہ، اچھا اچھا! کیا سچ میں؟“

”ہاں بھئی، سچ میں! سارے گھر والے واپس جا چکے ہیں۔“

اچھا“
،ہاں جی
میں کیا سوچ رہی تھی، شافی؟ کیوں نہ ہم آنٹی خالدہ کی طرف ہو آئیں؟

”کون سی آنٹی خالدہ؟“

...وہی جو عباد لوگوں کی ہمسائی تھیں“
غالباً
یہ وہی آنٹی خالدہ ہیں جن کے ہاں ہم لوگ پچھلے سات سال سے نہیں گئے؟ اور وہ ہمیں ہر میلے پر انوائٹ کرنا نہیں بھولتیں؟

ہاں تو! انسان کا خیال ہے نا، کس کو کب آ جائے۔“

اب مجھے آ گیا تو تم کیا چاہتی ہو؟ ہم یہ نیکی کا کام نہ کریں؟ وہ ہمیں کتنے پیار سے ہر بار اپنے گھر بلاتی ہیں، کیا ہمیں نہیں جانا چاہیے؟

جی جی، لازمی جانا چاہیے، لیکن ہم عباد کے جانے کے بعد جائیں گے۔

یہ کیا بات ہوئی؟"
ہو سکتا ہے پھر سے مجھے کوئی کام آن پڑے، اور اب تو تمہیں بھی پتا ہے، ویسے بھی شادی کی کتنی تیاریاں کرنی ہیں، تو کیوں نہ ہم ہو آئیں؟

"کیا ہو گیا ہے، رانی؟ تمہارا دماغ تو نہیں سٹھیا گیا؟"
ہاں تو کیا؟"
اب ہمارے اُنہوں کو تو توفیق ہوئی نہیں کہ دوبارہ شکل ہی دکھا جائیں، تو ہم خود ہی دیکھ آتے ہیں نا؟

رانی، تمہیں کس کی زبان لگ گئی ہے لڑکی؟"
کچھ تو شرم کرو! کہاں اُس کا نام تک تمہاری زبان سے نہیں نکلتا تھا، اور اب بے شرموں کی طرح اُس کو دیکھنے چل دیں؟

ارے تو پاگل! اس میں بے شرمی والی کون سی بات ہے؟"
اب وہ میرے شوہر ہیں، میں تو جو چاہے کر سکتی ہوں۔ پہلے کی بات اور تھی نا؟

شافی نے سمجھ کر سر ہلایا اور دوسری طرف چل دی۔
اب دونوں کا رخ گھر کی جانب تھا۔
جی جی جانتی ہوں، دونوں کو تو خالدہ خالہ کے ہاں جانا تھا، لیکن جی مانا ہماری رانی بے شرم ہو گئی تھی، پر ابھی بھی اتنی بے شرم نہیں ہوئی تھی۔
وہ بس مذاق کر رہی تھی، لیکن ہم تو سیریس ہو گئے تھے نا؟
یہ دو ماہ کیسے گزرے، کچھ پتا ہی نہیں چلا۔
یہ خیال صرف رانی کے گھر والوں اور شافی کا تھا، ورنہ رانی کا تو مانو ایک ایک دن سال پر محیط ہو چکا تھا۔
فائنلی شادی کا دن آن پہنچا تھا۔
وہ دن جس کا انتظار شاید سب سے زیادہ رانی نے کیا تھا... یا شاید اُس کے دل نے۔

کمرے میں ہلکی ہلکی عطر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ مہرون رنگ کے خوبصورت لہنگے پر سنہری کام جگمگا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں پر سجی مہندی اب پوری طرح رنگ لا چکی تھی، جبکہ چوڑیوں کی ہلکی ہلکی کھنک کمرے کی خاموشی میں عجیب سا احساس گھول رہی تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی رانی خاموش تھی۔ اردگرد موجود لڑکیوں کی ہنسی، میک اپ آرٹسٹ کی باتیں، زیورات کی جھنکار... سب کچھ جیسے اُس سے بہت دور تھا۔ وہ بس خاموش بیٹھی اپنی دھڑکنیں سن رہی تھی۔

"بارات آ گئی!"

باہر سے کسی کی بلند آواز آئی تو اُس کا دل زور سے دھڑکا۔

رانی بےاختیار اٹھ کر کھڑکی کی طرف بڑھی۔ پردے کی اوٹ سے اُس نے باہر جھانکا۔ روشنیوں سے جگمگاتا لان، لوگوں کا شور، گاڑیوں کی قطار... سب کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا، مگر وہ چہرہ نہیں جسے دیکھنے کے لیے اُس نے بارہ سال انتظار کیا تھا۔

عباد نے سہرہ باندھا ہوا تھا۔

وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی اُسے دیکھ نہیں پائی تھی۔

اور شاید یہی بےچینی اُس کے دل کو اور زیادہ بےقرار کر رہی تھی۔

رسمیں، شور، ہنسی، دعائیں… سب کچھ جیسے پلک جھپکتے میں گزر گیا۔

پھر آخرکار وہ لمحہ بھی آ گیا جب رانی ہمیشہ کے لیے اپنے شہر، اپنے گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔

لاہور کا سفر شروع ہو چکا تھا۔

رانی گاڑی کی کھڑکی کے ساتھ سر ٹکائے خاموش بیٹھی تھی۔
اُس کے اردگرد لوگ موجود تھے، مگر عباد اُس گاڑی میں نہیں تھا۔
عجیب بات تھی… وہ اُس کی دلہن بن چکی تھی، اُس کے نام سے جڑ چکی تھی، مگر ابھی تک اُسے ایک نظر بھی نہیں دیکھ پائی تھی۔

اور یہی بات اُس کے دل کی بےچینی کو اور بڑھا رہی تھی۔
آخر زندگی کے بارہ سال کے انتظار کے بعد وہ لاہور میں تھی، اپنے عباد کے لاہور میں۔
وہ شہر جس سے اُس نے بے پناہ محبت کی تھی۔
کیونکہ وہ تھا ہی محبتوں کے لائق شہر۔
شہرِ لاہور محبتوں کا شہر
اگر اُس نے بارہ سال عباد سے عشق کیا تھا، تو اُس نے بارہ سال لاہور سے بھی انتہا کی محبت کی تھی۔
وہ یہاں بس ایک دفعہ آئی تھی۔
کالج کے ساتھ اکتوبر والے ٹرپ میں۔
لیکن اُس ایک دفعہ میں ہی اُس نے شہرِ یاراں، یعنی لاہور کی ہر چیز سے محبت کر لی تھی۔
شادی کی رسمیں وغیرہ ہو چکی تھیں، تو اُسے عباد والے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔
لڑکیاں اُس کے آرام کا خیال رکھتے ہوئے اُسے بیڈ پر چھوڑ کر باہر چلی گئیں۔

اب وہ کمرے میں اکیلی تھی۔

کمرہ نہایت کشادہ مگر سادہ تھا، اور وہ جانتی تھی کہ یقیناً یہ عباد کی پسند تھی۔
کیونکہ باقی جتنا گھر اُس نے دیکھا تھا، وہ مکمل آرائش سے آراستہ تھا۔
جبکہ یہ کمرہ سادہ سہی، مگر بےحد خوبصورت تھا۔

کمرے کی تھیم میرون اور سفید رنگ پر مشتمل تھی۔ اُسے حیرت ہوئی، کیونکہ یہ دونوں رنگ اُس کے پسندیدہ تھے۔
یا شاید عباد کو بھی یہی رنگ پسند ہوں۔

اُس نے اٹھ کر کمرہ دیکھنا شروع کیا۔

کمرے کے ایک کونے میں چھوٹا سا دروازہ تھا۔
وہ یقیناً اسٹور روم تھا۔
وہاں کی دو دیواروں پر وائٹ کلر کی خوبصورت بُک ریکس نصب تھیں، جن میں لاتعداد کتابیں موجود تھیں۔ یعنی عباد کو مطالعے کا شوق تھا… دلچسپ۔

باقی ایک دیوار پر ایل ای ڈی نصب تھی اور سامنے ایک صوفہ پڑا ہوا تھا۔
یقیناً وہ یہاں اکیلے میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا ہوگا۔

آخری دیوار بھی وائٹ اور میرون رنگ کے خوبصورت فوٹو فریمز سے آراستہ تھی۔
وہ اُس دیوار کے قریب آ گئی۔

سب سے اوپر عباد کے ممی پاپا کی ایک بہت خوبصورت تصویر فریم تھی۔
اُس سے نیچے مزید تصویریں لگی ہوئی تھیں، اور جیسے ہی اُس کی نظر نیچے والی تصاویر پر پڑی، اُس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

جی... وہ سب تصاویر رانی عرف ازکٰی کی تھیں۔

مختلف مقامات کی، مختلف لمحوں کی۔

کوئی تصویر کالج کی تھی، کوئی کسی فنکشن کی، تو کوئی ایسے ہی بےخبری میں لی گئی تھی۔
حیرت کی بات یہ تھی کہ ہر تصویر میں وہ کسی اور سمت متوجہ تھی، جیسے اُسے کبھی احساس ہی نہ ہوا ہو کہ کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔

یہ انکشاف کہ عباد ہر جگہ موجود تھا... انتہائی چونکا دینے والا تھا۔

یہ کیسے ممکن تھا؟

رانی تو جانتی تھی کہ عباد بارہ سالوں میں کبھی واپس نہیں آیا تھا، پھر یہ سب تصاویر...؟

وہ ابھی مزید سوچ ہی رہی تھی کہ دروازہ آہستہ سے کھلا۔

اُس کے قدم بےاختیار رک گئے۔

کوئی اندر آیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کے اندر آیا اور بیڈ کے پاس کھڑے ہو کر اپنی شیروانی اتارنے لگا۔
وہ شکل سے بےحد تھکا ہوا لگ رہا تھا، مگر اُس کی آنکھیں... وہ عجیب سی چمک سے بھری ہوئی تھیں۔

اور پھر عباد کی نظریں پہلی بار اُس پر پڑیں۔
وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے قریب آیا۔

ہر قدم کے ساتھ جیسے کمرے کی ہوا بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

عباد کی نظریں رانی پر جمی ہوئی تھیں۔
ایک ایک لمحہ، ایک ایک تفصیل کو جیسے وہ بہت دیر بعد دوبارہ دیکھ رہا ہو۔
اُس کی نگاہیں رانی کے لہنگے کے باریک کام سے ہوتی ہوئی اُس کے ہاتھوں تک گئیں، پھر چہرے پر ٹھہر گئیں۔

آج اُس نے پہلی بار رانی کو نوزپن میں دیکھا تھا۔

رانی نے شادی کے دن پہلی دفعہ نوزپن پہنی تھی، اور وہ چھوٹی سی چیز بھی جیسے اُس کے چہرے کی نزاکت کو اور زیادہ نمایاں کر رہی تھی۔

وہ مبہوت سا کھڑا تھا۔

پھر آہستہ سے اُس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی نمی چمکی۔ جیسے کوئی پرانا درد، کوئی طویل انتظار ایک ساتھ آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔

رانی بھی اُسے دیکھ رہی تھی۔

خاموش، ساکت، اور حیرت میں گم۔

کمرے میں موجود ہر چیز جیسے دھندلا سی گئی تھیں۔
آوازیں، وقت، لمحے سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔

صرف وہ دونوں رہ گئے تھے۔

اور پورا کمرہ جیسے اُنہی کے گرد گھومنے لگا تھا۔
اور پھر اُس خاموشی کو عباد کی آواز نے توڑا۔

"اور پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟"

رانی نے فوراً سر اٹھا کر اُسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک انجانی سی سنجیدگی اور گہرائی تھی۔

"آؤ رانی، یہاں بیٹھ جاؤ۔ کھڑے کھڑے تھک جاؤ گی۔"

رانی فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی۔

"تو پھر... کہاں سے شروع کروں؟" عباد نے ہلکے سے کہا۔

پھر وہ اُس کے ساتھ بیڈ پر نہیں بیٹھا... بلکہ اُس کے قریب، اُس کے گھٹنوں کے پاس آ کر فرش پر بیٹھ گیا۔

رانی ایک لمحے کو ہچکچائی، جیسے اس غیر متوقع قربت نے اُسے چونکا دیا ہو۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر عباد نے بس ہلکے سے نفی میں سر ہلا دیا، جیسے کہہ رہا ہو: "آج کچھ مت کہو..."

"وہ اندر تصاویر میری ہیں۔" دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

رانی جیسے ابھی تک سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ ہو کیا رہا ہے۔ یہ سب اس کے لیے کسی خواب جیسا تھا۔
پے در پے ہونے والے انکشافات نے اس کے ذہن کو جیسے ساکت کر دیا تھا۔

"جی... وہ آپ ہی کی ہیں۔" عباد نے دھیرے سے کہا۔
"چلیں... آپ کی داستان تو ہم دونوں جانتے ہیں۔
میں آپ کو میری داستانِ حیات بھی سنانا چاہتا ہوں، کیا اجازت ہے؟"

ساتھ ہی اُس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، جیسے وہ اسے اپنے ساتھ اُس کہانی میں لے جانا چاہتا ہو۔

رانی نے بھی ہلکے سے، دھیرے سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔

اور پھر جیسے وقت کی گھڑیاں پیچھے رہ گئیں...

ٹھیک اُس لمحے جب راجہ پہلی دفعہ لاہور آیا تھا۔
یہاں اس کا ایک چچا کی فیملی آباد تھی۔
اس کے چچا کی شادی اپنی خالہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔
طاہرہ چچی کے میکے والے چونکہ یہاں آباد تھے اور وہ اکلوتی بھی تھیں، اس لیے اُن کے سارے کاروبار کو سنبھالنے کے لیے چچا کو لاہور میں ہی مقیم ہونا پڑا۔
طاہرہ چچی،دادی اماں کی بھتیجی تھیں، اس لیے اماں کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

ہاں دادی اماں نے یہ ضرور کیا تھا کہ چچا کا حصہ اسی وقت ان کے سپرد کر دیا تھا تاکہ کل کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔
اس طرح گاؤں کا سارا کاروبار راجہ کے ابّا سنبھالتے تھے۔

شروع میں چار سال تک راجہ نے چچا کے ہاں ہی گزارے، لیکن اب وہ بالغ ہو چکا تھا اور کالج سے یونیورسٹی جانے کی طرف گامزن تھا۔

احمد چچا اور طاہرہ چچی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔
بیٹے دونوں چھوٹے تھے اور بیٹیاں بڑی تھیں۔
ان میں سب سے بڑی بیٹی آمنہ راجہ سے دو سال چھوٹی تھی۔

اب راجہ نے چچا کے گھر ٹھہرنے کو مناسب نہ سمجھا اور ہاسٹل جانے کا فیصلہ کیا، لیکن اس سے پہلے ہی اس کے تمام گھر والے لاہور بھی تشریف لے آئے۔
کیونکہ باقی بچے بھی اب بڑے ہو رہے تھے اور راجہ کے رہنے کا مسئلہ بھی تھا۔
ابّا اپنا کاروبار اب لاہور میں ہی سیٹ کر چکے تھے۔
پیچھے کوئی رہ نہیں گیا تھا، اس لیے دوبارہ کوئی گاؤں نہیں گیا۔ ہاں دو سال بعد چھٹیوں میں اماں، ابّا بچوں زاہد اور زارا کے ساتھ گاؤں سے ہو آتے، لیکن عباد اپنی یونیورسٹی کی مصروفیات کی وجہ سے نہ جا پاتا۔
اور اگر کبھی امی جان اسے کہہ بھی دیتیں کہ

”بیٹا، کچھ دن کے لیے چلو۔“

تو وہ ہمیشہ منع کر دیتا۔ نہ جانے کیوں، لیکن جیسے وہ گاؤں جانے سے کتراتا تھا، ایسے جیسے کسی متوقع چیز سے ڈر رہا ہو، جو اسے معلوم ہو کہ ایسا ہوگا بھی، لیکن وہ اس کے ہونے سے ڈرتا بھی ہو۔

خدا جانے کیا بات تھی۔
امی جان اسے ایسے ہی اس کے حال پر چھوڑ دیتیں۔
عباد صاحب یونیورسٹی پہنچ گئے۔
قسمت ہمیشہ ان پر مہربان رہی تھی۔ جہاں اپنا اسکول اور کالج کا بہترین وقت گزارا، وہیں بہترین یونیورسٹی میں گئے۔

عباد نے یونیورسٹی سے مکینیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ یہ اس کی ڈگری کا آخری دن تھا جب وہ یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں بیٹھا اپنے دوستوں کے ساتھ مستقبل کے گیت اور ماضی کی یادیں دہرا رہا تھا۔

یار حمزہ، تمہارا صحیح ہے۔"
یہاں سے ڈگری لی، وہاں خالہ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ زندگی تو سیٹ ہے۔" کامل نے حمزہ سے کہا۔

ان کے گروپ میں حمزہ وہ واحد انسان تھا جس کی ڈگری کے بعد شادی ہو رہی تھی۔
باقی سب کا آگے پڑھنے کا پلان تھا، لیکن حمزہ کے اپنے والد کی کمپنی تھی سو وہ آگے کی فکر سے آزاد تھا۔

ہاں تو تم کیوں جیلس ہو رہے ہو؟ میری شادی سے تم بھی کر لو۔" حمزہ نے مفت کا مشورہ دیا۔

نا بھئی! ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھو۔" کامل نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی۔

اس کی بات پر سارے گروپ کا قہقہہ گونج اٹھا۔

ان کے گروپ میں تین لڑکیاں اور تین ہی لڑکے تھے۔
لڑکوں میں حمزہ اور کامل عباد کے بہترین دوست تھے۔
اقراء اورعائشہ سے بھی عباد کی اچھی دوستی تھی۔
وہ اُن دونوں کو اپنی چھوٹی بہن کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔
اس کے علاوہ تیسری لڑکی ماہا تھی۔
لمبی ہائٹ، ہلکی سرمئی آنکھیں، خوبصورت سرخ و سفید گول چہرہ جو ہر وقت حجاب میں مقید ہوتا تھا۔
حجاب کے علاوہ اس کے جسم کو ہمیشہ ایک کالی چادر نے گھیرہ ہوتا۔
وہ ایک پیاری اور کیوٹ سی لڑکی تھی۔

.اس لیے جب بھی کبھی عباد کی نظر ماہا پر پڑتی تو وہ نظر پھیر لیتا
حقارت سے نہیں، احترام سے، عقیدت سے۔

اس کے اس رویے کی وجہ حمزہ اور کامل نے کچھ اور ہی سمجھ لی، اور ایک دن اس کو یونی کی عمارت کی پچھلی طرف لے گئے۔
ارے، ہم لوگ یہاں کیوں آ گئے؟ یار بھوک لگی ہے۔" عباد نے انہیں فوڈ کورٹ سے ادھر آتے دیکھ منہ بسور کے کہا۔

"ارے یار، کھانا بھی کھا لیتے ہیں، ادھر تو چلو ذرا"

اب کے منظر کچھ یوں تھا کہ وہ تینوں ایک سنگی بینچ پر بیٹھ گئے۔
حمزہ اور کامل دونوں اطراف، اور عباد بیچ میں، جیسے سینڈوچ۔

"ہاں تو حمزہ، تم پوچھ رہے ہو یا میں پوچھوں عباد کو؟"

عباد کو دونوں کو دیکھ کر یوں لگا جیسے وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے ہوں۔

جی تو اصل میں عباد صاحب، مسئلہ کچھ یوں ہے کہ تم تو جانتے ہی ہو حمزہ کی شادی ڈگری کے بعد متوقع ہے، اور میری منگنی میری چچا زاد سے طے ہے
"جو جلد یا بدیر شادی میں تبدیل ہو ہی جائے گی۔

ساتھ ہی کامل نے ایک ہنکارہ بھرا، جیسے اسے اس تبدیلی میں وقت کے بے جا زیادہ ہونے کا بہت دکھ ہو۔

اس کے دکھ میں اور اضافہ ضرور ہوتا، لیکن فوراً ہی حمزہ نے اہم اہم کر کے اسے اصل موضوع کی طرف لانے میں مدد دی۔

ہاں بھئی، یہ تو مجھے معلوم ہے، پھر سے کیوں بتا رہے ہو؟"
یار معلوم ہے، میں تو اکیلا سنگل ہوں کیوں دل جلاتے ہو؟" عباد نے مصنوعی دکھ کا مظاہرہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔

ہاں، یہی تو ہم تجھے سمجھانا چاہ رہے ہیں"
دیکھ، ہمیں معلوم ہے تو کیا چاہتا ہے، ہم بھی اسی معاملے میں ہی تیری مدد کرنا چاہ رہے ہیں۔" حمزہ نے ایک دم جوش میں آ کر یہ بات کی۔

عباد نے حیرت سے دیکھا، گویا پوچھنا چاہ رہا ہو میں کیا چاہتا ہوں؟ تم لوگ کیا مدد کرو گے؟

عباد، دیکھ دوست، ہم جانتے ہیں تم بہت شرمیلے ہو، اور یہ اچھی بات بھی ہے، لیکن دوست، اس طرح تو اپنے دل کی بات اسے "کیسے بتاؤ گے؟

ارے، کون سی دل کی بات اور کس کو؟" عباد گویا چونک ہی پڑا۔"

عباد، ہمیں پتا ہے تم ماہا کو پسند کرتے ہو اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ حمزہ نے ایک ہی سانس میں بات کر دی۔

ٹھیک اسی وقت ماہا بھی، جو حمزہ سے کل کی اسائنمنٹ کی کاپی لینے آئی تھی، وہیں جم گئی۔
وہ آگے بڑھتی، لیکن اس کے پاؤں جیسے زمین میں گڑھ گئے ہوں۔
اس کا دل ہاں، وہ اس بات کا جواب ضرور جاننا چاہتا تھا
اس لیے وہ وہیں رک گئی۔

عباد اب تک ہکا بکا انہیں دیکھ رہا تھا۔
کچھ دیر وہ سناٹوں کی زد میں رہا، جیسے وہ ضبط کی انتہاؤں پر ہو۔
اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

کامل، حمزہ! آئندہ ایسی بات دوبارہ نہ کرنا۔"
جانتا ہوں اس وقت یہاں کوئی نہیں ہے، لیکن دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔
اور میں نہیں چاہتا کسی اچھی عورت کی عزت یوں داؤ پر لگے۔
آئندہ کبھی بھی کسی عورت کا نام یوں سرِعام نہ لینا۔
میرے لیے مسئلہ نہیں ہے، میں لڑکا ہوں
کوئی سن بھی لے گا تو مسئلہ نہیں، لیکن کسی لڑکی کے لیے معاشرہ بہت سخت ہو جاتا ہے۔
چاہے لڑکی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو، لیکن دنیا... یہ دنیا بہت ظالم ہے۔ اس نے تو مریم علیہ السلام جیسی پاک باز، پاکیزہ، طاہرہ، طیبہ بہترین عورت کی کردار کشی کی
عباد کا لہجہ بتا رہا تھا کے اسے انکی بات سے بہت تکلیف پہنچی ہو۔

کامل اور حمزہ دم سادھے اسے سن رہے تھے۔

ماہا کے دل میں اس انسان کا مرتبہ، اس کا احترام اور عزت اور بڑھ گئی۔

جہاں تک رہی بات میری ان کو پسند کرنے کی تو ایسا کچھ نہیں ہے۔
میں ان کو تو کیا، دنیا کی کسی بھی لڑکی کو کبھی پسند کر ہی نہیں سکتا۔
"نہ اب، نہ بعد میں، کبھی بھی نہیں۔

لیکن کیوں؟" سوال بے ساختہ تھا، اور کامل کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔

لیکن دور پلر کی اوٹ میں کھڑی ماہا کا دل بھی اس وقت شدت سے چاہا کہ وہ بھی یہ سوال کر سکے۔

کیونکہ میں کسی سے عشق کا جرم سرزد کر چکا ہوں... میں کسی کا اسیر ہو چکا ہوں... میں کسی کو وعدۂ وفا کر چکا ہوں... اپنا آپ دان کر چکا ہوں... اب تب بس وہ اور صرف وہ
اس جملے کے بعد فضا جیسے ایک لمحے کے لیے تھم سی گئی تھی۔
حمزہ اور کامل دونوں خاموش ہو گئے تھے، اور ماہا کی سانس بھی جیسے کہیں اٹک سی گئی تھی۔

وہ کون ہے؟" کامل نے آہستہ سے پوچھا۔"

عباد نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے دل کے اندر دبی کوئی پرانی یاد باہر آ رہی ہو۔

وہ کوئی نہیں جسے تم لوگ جانتے ہو... اور نہ ہی کوئی ایسی کہانی ہے جو میں بار بار سنانا چاہوں۔
"بس اتنا سمجھ لو کہ میں اب کسی اور کے لیے نہیں ہوں۔

اس کی آواز میں عجیب سی سنجیدگی تھی، ایسی سنجیدگی جو کسی بھی بحث کو ختم کر دیتی ہے۔

ماہا اب بھی پلر کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی فائل ہلکی سی کانپ رہی تھی۔

وہ چپ چاپ وہاں سے واپس مڑ گئی، بغیر کچھ کہے، بغیر کسی کو بتائے۔
وہ لمحہ جیسے وقت کے اندر جم سا گیا تھا۔

"وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے"

ماہا نے جیسے سانس لینا بھول دیا ہو۔

یہ صرف ایک جملہ نہیں تھا... یہ اُس کے اندر کسی خاموش یقین کے ٹوٹنے جیسا تھا۔

وہ عباد کو پسند کرتی تھی ۔
نہیں، پسند سے کہیں آگے۔
بہت خاموش، بہت گہری، بہت بےزبان سی محبت۔
ایسی محبت جو کبھی لفظ نہیں بنتی، بس دل میں رہتی ہے، آنکھوں میں چھپ جاتی ہے، اور امید بن کر جیتی رہتی ہے۔

اور آج وہ امید ٹوٹ گئی تھی۔

وہ ایک لمحہ بھی وہاں نہ ٹھہری فوراً پلٹی۔

لیکن اس بار اُس کے قدم معمول کے نہیں تھے۔

ہر قدم بھاری تھا۔
جیسے زمین اُس کا ساتھ چھوڑ رہی ہو۔

وہ ستونوں کے پیچھے سے نکلی، ہال کے کناروں سے گزرتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔
یونیورسٹی کا شور اب بھی پیچھے تھا، مگر اُس کے اندر مکمل خاموشی تھی۔

پارکنگ تک پہنچتے پہنچتے اُس کے ہاتھ ہلکے سے کانپ رہے تھے۔ گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے پہلی بار محسوس ہوا کہ انگلیاں بھی بےجان ہو رہی ہیں۔

وہ گاڑی میں بیٹھی۔
مگر کچھ دیر تک اسٹارٹ نہیں کی۔

بس اسٹیئرنگ پر سر جھکا دیا۔

آنکھیں خشک تھیں۔
مگر اندر جیسے سب کچھ بھیگ چکا تھا۔

پھر آہستہ سے گاڑی اسٹارٹ کی۔

راستہ گھر کا تھا، مگر ہر موڑ پر لگ رہا تھا جیسے وہ کہیں اور جا رہی ہو کسی ایسے مقام پر جہاں واپس سے آنا ممکن نہ ہو۔

گھر پہنچ کر بھی وہ فوراً اندر نہیں گئی۔

چند لمحے گاڑی میں ہی بیٹھی رہی۔
پھر جیسے خود کو زبردستی سنبھال کر اندر داخل ہوئی۔

کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کے چہرے پر وہی خاموشی تھی، مگر آنکھوں کے اندر ایک پوری شکست لکھی جا چکی تھی۔

اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو دروازہ آہستہ سے بند کیا
ایک لمحے کو وہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔

خاموشی... مکمل خاموشی۔

پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ تک آئی اور سیدھی گر سی گئی۔
نہ باقاعدہ لیٹی، نہ بیٹھی بس جیسے جسم نے ساتھ چھوڑ دیا ہو۔

چند سیکنڈ وہ یونہی چھت کو دیکھتی رہی۔

پھر اچانک اس نے آنکھیں بند کر لیں... مگر آنکھیں بند کرنے سے منظر بند نہیں ہوا تھا۔ وہی آوازیں، وہی جملہ، وہی حقیقت بار بار ذہن میں گونج رہی تھی۔

"وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے"

اُس کے ہاتھ بےاختیار بیڈ شیٹ کو مٹھی میں جکڑنے لگے۔

پہلی بار اسے احساس ہوا کہ محبت صرف خوشی نہیں ہوتی... کبھی کبھی یہ اندر سے خاموشی سے توڑ بھی دیتی ہے۔

وہ کروٹ بدل کر ایک طرف ہو گئی۔ چہرہ تکیے میں چھپا لیا۔

مگر آنسو پھر بھی رک نہ سکے۔

خاموشی سے، بغیر آواز کے... وہ روتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھ بیٹھی۔

موبائل اٹھایا کچھ لمحے سکرین کو دیکھتی رہی، جیسے کسی کو کال کرنے کا ارادہ ہو مگر پھر بند کر دیا۔

اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔

نہ دوستوں کو، نہ گھر والوں کو۔

بس خود سے بھی چھپانے کی کوشش کی کہ وہ ٹوٹ چکی ہے۔

وہ واش روم گئی، چہرہ دھویا... آئینے میں خود کو دیکھا۔

وہی چہرہ تھا، مگر آنکھوں میں کچھ بدل چکا تھا۔

پانی کے قطروں کے ساتھ ساتھ شاید کچھ احساس بھی بہہ گئے تھے۔

واپس آ کر وہ دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئی... اور اس بار خاموشی سے خود کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن کچھ ٹوٹ جائے تو آواز ہمیشہ اندر رہ جاتی ہے باہر نہیں۔
لیٹے لیٹے وہ چھت کو تکتی رہی۔

خاموشی اب بھی کمرے میں بھری ہوئی تھی، مگر اس کے اندر یادیں شور مچا رہی تھیں۔

وہ سوچنے لگی کیسے وہ ہر چیز میں ہمیشہ اتنا نرم تھا۔
جب وہ دور رہتا تھا
جب وہ اس کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتا تھا تب بھی اسے ایک عجیب سا سکون ملتا تھا۔

کبھی کلاس میں وہ کہیں کھڑا ہوتا اور بس مسکرا دیتا، اور وہ دل ہی دل میں اس مسکراہٹ کو سنبھالتی رہتی۔

کبھی کینٹین میں سب کے ساتھ بیٹھا ہوتا، اور کسی لمحے غیر ارادی طور پر اس کے آگے کھانا بڑھا دیتا جیسے وہ کوئی خاص نہیں، بس ایک معمول کا حصہ ہو۔

کبھی وہ بیٹھنے لگتی تو وہ خاموشی سے اس کے لیے کرسی آگے کر دیتا، بغیر کسی دکھاوے کے، بغیر کسی احساس دلائے۔

وہ سب چیزیں بہت چھوٹی تھیں۔ بہت نرم مگر ماہا کے دل میں وہی سب سے بڑی ہو گئی تھیں۔

چار سال
یونیورسٹی کے چار سال اسی خاموش محبت کے ساتھ گزرے تھے۔

اس نے کبھی کہا نہیں تھا نہ کبھی امید جتائی تھی۔ بس دیکھا تھا، محسوس کیا تھا، اور دل میں رکھ لیا تھا۔

اور آج انہی یادوں نے اسے اور زیادہ توڑ دیا تھا۔

کیونکہ اب وہ سمجھ گئی تھی کہ جن لمحوں کو وہ محبت سمجھ رہی تھی وہ شاید صرف اُس کی فطرت تھی۔

آنکھیں اب بھی بھیگی ہوئی تھیں، مگر چہرے پر ایک خاموش سی شکست تھی۔

یادیں ایک ایک کر کے سامنے آ رہی تھیں
اچانک وہ سب ٹوٹ گیا۔
ستون کے پیچھے سے سنی گئی وہ آواز... وہ جملہ
"عباد کسی اور کو پسند کرتا ہے"
بس یہی ایک بات اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔
وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ سب کیسے ہوا کب ہوا اور وہ اس سے اتنا دور کیسے ہو گیا؟

دل میں ایک ہی بات بار بار آ رہی تھی اگر اسے پہلے معلوم ہوتا تو شاید وہ خود کو روک لیتی، شاید وہ ان احساسات کو اتنی گہرائی تک جانے ہی نہ دیتی۔
مگر اب وقت واپس نہیں آ سکتا تھا۔

وہ پلٹی اور کروٹ بدل کر ایک طرف ہو گئی۔
کمبل کو ہلکا سا اپنے اوپر کھینچ لیا، جیسے خود کو دنیا سے چھپانا چاہتی ہو۔

کمرے میں خاموشی تھی. مگر اس خاموشی میں اب کوئی امید نہیں تھی، صرف حقیقت تھی۔

وہ اٹھ کر کچھ نہیں بولی، نہ اس نے کسی کو آواز دی، نہ کوئی شکایت کی۔

بس خاموشی سے سب کچھ اپنے اندر دفن کر لیا۔

کیونکہ بعض کہانیاں ختم نہیں ہوتیں... بس خاموش ہو جاتی ہیں۔
"کاش یہ سب حقیقت نہ ہوتا"

ادھر حمزہ نے کامل کی طرف دیکھا، اور دونوں کو اندازہ ہو گیا۔
تھا کہ انہوں نے شاید غلط وقت پر غلط بات کر دی ہے۔

چلو چھوڑو اس بات کو کچھ کھاتے ہیں چل کر ۔ کامل نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔"

عباد نے صرف سر ہلایا اور بینچ سے اٹھ گیا۔
کامل اور حمزہ عباد کے ساتھ باقی جتنا عرصہ ساتھ رہے، ان کے لہجے میں عباد کے لیے دوستی اور محبت سے زیادہ احترام تھا
ساتھ ہی انہیں اس ہستی پر بھی رشک آتا تھا جو اس عشق کی حق دار تھی۔

اگلہ پورا ہفتہ ماہا یونیورسٹی نہیں گئی۔
ایک دن، پھر دو دن، پھر چار دن... پھر پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔ ماہا یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔

یہ سب اس کے دوستوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا، کیونکہ وہ ایک ذہین اور پڑھائی کے لیے غیر معمولی سنجیدہ لڑکی تھی۔

یہ جمعہ کی شام کا وقت تھا۔ اگلے دو دن یونیورسٹی کی چھٹی تھی، اس لیے عائشہ اور اقراء ماہا کے گھر آ گئی تھیں۔

ماہا کی امی انہیں خوش اخلاقی سے ملیں اور پھر ماہا کے کمرے تک لے گئیں۔
لیکن دروازہ کھولنے سے پہلے ہی وہ رک گئیں۔

"بیٹا، میں نہیں جانتی اسے کیا ہوا ہے۔
پورا ہفتہ ہو گیا ہے، نہ وہ کمرے سے باہر نکلی ہے، نہ کسی سے بات کی ہے۔
شکر ہے اس کے ابو اور بھائی اسلام آباد گئے ہوئے ہیں، ورنہ وہ دونوں بہت پریشان ہو جاتے۔"

ماہا کی امی کی آنکھیں نم تھیں۔
عائشہ اور اقراء بھی پریشان ہو گئیں۔

"آنٹی، آپ فکر نہ کریں۔
ہم دیکھ لیتے ہیں۔ دونوں نے انہیں تسلی دی۔

ماہا کی امی ان کے لیے کچھ لینے نیچے چلی گئیں اور وہ دونوں کمرے میں داخل ہو گئیں۔

کمرہ بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ اس کی تھیم پستہ اور وائٹ کلر پر مشتمل تھی۔
مگر کمرے کی فضا عجیب سی تھی جیسے روشنی کم اور خاموشی زیادہ ہو۔

ماہا بیڈ پر چادر اوڑھے لیٹی ہوئی تھی۔

"ارے امی، آپ کیوں خود کو تھکا رہی ہیں بار بار اوپر آ کر؟ میں نے آپ سے کہا نا، میں ٹھیک ہوں۔"

وہ لیٹے لیٹے چادر کے اندر سے ہی بولی۔ اسے لگا حسبِ معمول اس کی امی ہی آئی ہوں گی۔

باہر نکلنے کی زحمت تک نہ کی۔

اقراء آگے بڑھی اور اس کے سر سے چادر کھینچ کر ایک طرف کر دی۔

اب دونوں اس کے سر پر کھڑی تھیں۔

اس کا چہرہ زرد تھا، آنکھیں رونے اور بےخوابی سے تھکی ہوئی، ہونٹ خشک تھے جیسے وہ خود کو کئی دنوں سے نظرانداز کر رہی ہو۔

عائشہ اور اقراء اس کی حالت دیکھ کر ساکت رہ گئیں۔
انہوں نے ہمیشہ ماہا کو صاف ستھرے اور سنبھلے ہوئے انداز میں دیکھا تھا۔ بےشک وہ حجاب اور سادہ لباس پہنتی تھی، مگر اپنی صفائی اور ترتیب کا خاص خیال رکھتی تھی۔ مگر آج وہ بالکل ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھی۔

"تم دونوں یہاں کیسے؟" ماہا انہیں دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"ہم تم سے پوچھنے آئے ہیں یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟" عائشہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔
پریشانی اس کے لہجے میں صاف جھلک رہی تھی۔
ارے کچھ نہیں، بس تھوڑی طبیعت خراب تھی۔
امی نے تم دونوں کو بھی پریشان کر دیا ہوگا
"پریشان نہیں ہوں گے تو اور کیا کریں گے؟" عائشہ فوراً بولی۔
" ہفتے سے یونی نہیں آ رہی تھی تم۔"

اقراء نے بھی فوراً بات آگے بڑھائی، "ہم نے سب فرینڈز سے بھی پوچھ لیا تھا۔ کسی کو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔"
میں بس مصروف تھی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا، جانتی تھی سامنے دیکھ کر بولے گی تو دونوں فوراً سے اس کی آنکھیں پڑھ لیں گی۔

کہاں مصروف تھی میڈم آپ؟ وہ بھی پھر اس کی دوستیں تھی، جانتی تھیں کہ کب جھوٹ بول رہی ہے کب سچ۔

وہ میرا رشتہ پکا ہوا ہے، بے پرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جیسے یہ کوئی بڑی بات ہی نہ ہو۔
چند سیکنڈ کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

پھر اگلے ہی لمحے دونوں کی چیخ نکلی۔

"کیاااا؟!"

اتنی اونچی آواز تھی کہ نیچے بیٹھی فوزیہ آنٹی نے بھی حیرت سے اوپر دیکھا۔

"ارے ان لوگوں کو کیا ہو گیا؟"

"سچ میں؟!" عائشہ تقریباً اس کے اوپر ہی چڑھ گئی تھی۔

"تم مذاق تو نہیں کر رہیں؟" اقراء نے فوراً پوچھا۔

"نہیں..."
تب سے آکر میرا سر کھائے جا رہی ہو۔ بتانے کا موقع دو تو پھر ناں۔
"اصل میں شہزاد میرے ابو کے کزن کا بیٹا ہے۔
کافی عرصے سے بات چل رہی تھی۔ امی ابو نے مجھ سے پوچھا بھی تھا، مگر تب میں راضی نہیں تھی۔ پھر ان کے بہت اصرار پر ابو نے ہاں کر دی۔"

"اوووو..." دونوں نے لمبی آواز نکالی۔

"تو مطلب تم راضی ہو؟"

ماہا نے ایک لمحے کو نظریں جھکائیں۔

"ہاں... اب مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔"

وہ جھوٹ بول رہی تھی۔

اور شاید تینوں یہ جانتی تھیں۔

بس کسی نے اُس جھوٹ کو پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔

"اچھا چھوڑو یہ سب ٹریٹ کب دے رہی ہو؟" عائشہ نے فوراً موضوع بدلا۔

"جی؟"

"ہاں بھئی! اتنی بڑی خبر دی ہے، اب ٹریٹ تو بنتی ہے!"
عائشہ اور اقراء دونوں کو اندازہ تھا کہ ماہا کچھ چھپا رہی ہے، مگر ابھی وہ اسے زور سے نہیں توڑنا چاہتی تھیں۔
بس وہیں ایک خاموش سا فیصلہ ہوا کہ وہ اسے اکیلا نہیں چھوڑیں گی۔

اور پھر اگلے چند منٹ دونوں صرف ٹریٹ کے پیچھے پڑی رہیں، جیسے دنیا کی سب سے اہم چیز وہی ہو۔

ماہا انہیں دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دی۔

شاید اسی لیے انسان دوست بناتا ہے تاکہ کچھ لوگ آپ کے ٹوٹنے کے باوجود آپ کو نارمل محسوس کروا سکیں۔
جو کچھ ماہا نے ان دونوں کو بتایا تھا، بالکل ٹھیک بتایا تھا۔
ہاں، بس اُس نے یہ بات اُن دونوں سے چھپا لی تھی کہ اُس دن اُس نے عباد کی باتیں سن لی تھیں۔

وہ عباد سے محبت کرتی تھی... لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ وہ کسی اور سے عشق کر چکا ہے، تو وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی تھی۔

وہ اُن لوگوں میں سے نہیں تھی جو اپنی محبت کے لیے کسی اور کی زندگی میں مداخلت کریں۔

اور جب اللہ نے دونوں کو الگ الگ راستوں پر ڈال دیا تھا، تو اُس نے بھی خاموشی سے اُس فیصلے کو قبول کر لیا۔

اسی لیے اُس نے ابو سے شہزاد کے لیے ہاں کر دی تھی۔

وہ شہزاد کو پہلے سے جانتی تھی۔
وہ ایک اچھا لڑکا تھا، نرم مزاج، سلجھا ہوا... اور سب سے بڑھ کر، وہ اُس کی عزت کرتا تھا۔

اور ماہا یہ بھی جانتی تھی کہ شہزاد اُس سے محبت کرتا ہے۔
یہ رشتہ بار بار صرف اُسی کے اصرار کی وجہ سے مانگا جا رہا تھا، ورنہ اُس کے گھر والے ایک دفعہ انکار کے بعد دوبارہ یہاں بات کرنے نہ آتے۔

شاید اسی لیے ماہا نے آخرکار فیصلہ کر لیا تھا...

اگر اُسے اپنی محبت نہیں ملی، تو کیا ہوا؟

وہ کم از کم کسی کی محبت کی قدر ضرور کرے گی۔

اب وہ پہلے والی ماہا بننے کی کوشش کر رہی تھی ہنسنے والی، بےپرواہ، اور نارمل۔

کچھ عرصہ بعد

ڈگری ختم کرنے کے بعد عباد آسٹریلیا سے آگے کی تعلیم حاصل کرنے چلا گیا تھا۔
ابھی کچھ دن پہلے ہی اس کی واپسی ہوئی تھی۔

بارہ سال گزر گئے تھے مگر راجا کے لیے وقت جیسے وہیں رک گیا تھا جہاں وہ رانی کو چھوڑ کر گیا تھا۔

گاؤں کی مٹی کی خوشبو آج بھی اسے وہی پرانا دن یاد دلا دیتی تھی، جب وہ ایک وعدہ کر کے نکلا تھا.
ایک ایسا وعدہ جو شاید اس کی پوری زندگی بن گیا تھا۔

"تمہیں میرے علاوہ کوئی دوست بھی نہیں بنانا میں آؤں گا۔"

وہ بچپن کی رانی، وہ معصوم سی آنکھوں والی لڑکی.
راجا کے دل میں آج بھی ویسی ہی تھی۔
بس فرق یہ تھا کہ اب وہ ایک نوجوان لڑکی بن چکی تھی، اور وہ اب بھی وہی وعدہ لیے کھڑا تھا۔

بارہ سال میں وہ کبھی اس کے سامنے نہیں گیا۔ کبھی نہیں۔
نہ ایک بار، نہ ایک لمحے کے لیے۔

بس دور سے دیکھتا رہا.

کبھی کالج کے باہر کھڑی ہنستی ہوئی رانی،
کبھی کسی فنکشن میں سب کے بیچ چمکتی ہوئی وہ صورت...
اور کبھی بارش میں بھیگتے ہوئے وہ لمحے، جب وہ خود بھیگ جاتا تھا مگر کیمرہ اس کے ہاتھ میں خشک رہتا تھا، کیونکہ وہ رانی کو قید کر رہا ہوتا تھا اپنی یادوں میں۔

وہ اس کی تصویریں لیتا رہا، چپکے سے، خاموشی سے جیسے کسی خواب کو چھونے کی ہمت نہ ہو مگر کھونا بھی نہ چاہے۔

اور ہر بار جب وہ گاؤں آتا صرف ایک نظر کے لیے۔
وہ دروازے تک نہیں جاتا تھا۔
وہ بس دور کھڑا رہتا تھا، جیسے اپنی ہی خواہش سے ڈرتا ہو۔

اس کے دل میں ہمیشہ ایک ہی خوف رہتا تھا.

اگر وہ اسے بھول گئی ہو تو؟
اگر اس نے کسی اور کو اپنا لیا ہو تو؟
اگر وہ اسے پہچانے ہی نہ تو؟

یہی ڈر اسے قدم آگے نہیں بڑھانے دیتا تھا۔ یہی ڈر اسے سالوں تک خاموش رکھتا رہا۔

مگر پھر بارہ سال بعد کچھ بدل گیا تھا۔

اب یہ خاموشی اس کے اندر نہیں سماتی تھی۔

عباد اب مزید انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

شافی کے بھائی نے اُسے چند دن پہلے ہی بتایا تھا کہ رانی کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔
اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ رانی کے والد کو وہ لوگ بےحد معزز اور مناسب لگے تھے۔

"ہو سکتا ہے ماموں جلدی ہاں کر دیں۔"

بس یہی ایک جملہ عباد کے ذہن میں مسلسل گونج رہا تھا۔

وہ برسوں سے اپنے دل کو یہ کہہ کر روکے ہوئے تھا کہ ابھی وقت ہے ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔
مگر اب پہلی بار اُسے لگا جیسے وقت اس کے ہاتھوں سے نکل رہا ہے۔

اور رانی؟

وہ کسی اور کے نام ہو سکتی تھی۔

یہ خیال ہی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

اسی بےچینی نے اُسے واپس گاؤں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ورنہ وہ شخص جو برسوں اُس گلی میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر پایا تھا، آج فجر کے فوراً بعد گاڑی لے کر گاؤں کی طرف نکل پڑا تھا۔

وہ واپس آ گیا تھا۔

اب وہ چھپ کر دیکھنے والا راجا نہیں رہا تھا۔
اب وہ سامنے آنے والا تھا۔

چاہے رانی پہچانے یا نہ پہچانے۔
چاہے وہ مسکرا دے یا انکار کر دے۔

کیونکہ اب اس کے دل نے بس ایک ہی بات مان لی تھی۔

"اب اور نہیں چھپ سکتا اب سامنے آنا ہی ہوگا۔"
اب وہ مزید اس ڈر کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا کہ کہیں رانی اسے صاف انکار نہ کر دے۔

صبح کے آٹھ بجے ہی وہ گاؤں میں موجود تھا مطلب وہ بہت تیز ڈرائیو کرکے آیا تھا۔

وہ تب سے گاؤں پہلی دفعہ نہیں آیا تھا۔
ہاں، لیکن اس محلے میں رانی کے گھر کی گلی میں وہ تب سے آج پہلی دفعہ آیا تھا۔

اس نے لمبی سانس لے کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ "کون ہے؟" یہ آواز رانی کی امی کی تھی۔

انہوں نے دروازہ کھولا جو دودھ والے کی توقع کر رہی تھیں۔
سامنے انہوں نے دروازہ کھولتے ہی برتن سامنے کر دیا۔
انہیں لگا اتنی صبح دودھ والے بھائی آئے ہیں۔ لیکن سامنے اتنے سالوں بعد عباد کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
پھر بھرے جذبات سے عباد کے گلے لگ گئیں، اس کا ماتھا چوما۔
وہ کتنا بڑا ہو گیا تھا۔

"آگے کی کہانی تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

حمزہ کی شادی پر آخری بار وہ سب اکٹھے ہوئے تھے، اس کے بعد سب اپنی اپنی منزلوں اور مصروفیات میں گم ہو گئے۔
اور اب پورے دو سال بعد ایک بار پھر وہ سب عباد کی شادی پر اکٹھے ہوئے تھے۔
ماہا اس کا شوہر شہزاد اور ان کا بیٹا راہب؛ اقرا اور اس کی بیٹی زرمینہ؛ کامل اور اس کی بیوی، اور ان کے دونوں جڑواں بیٹے ثمر اور ولی۔
سب اپنی اپنی زندگیوں میں خوش و خرم تھے۔

البتہ عائشہ ابھی تک شادی کی منزل تک نہیں پہنچی تھی۔ اس کا نکاح اس کے کزن کے ساتھ ہو چکا تھا اور جلد ہی شادی بھی متوقع تھی۔

وہ سب اپنی اپنی زندگیوں میں سیٹل ہو چکے تھے۔

یہ تھی ہمارے عباد کی مختصر سی کہانی۔

اب واپس آتے ہیں کمرے کے اُس منظر کی طرف، جہاں رانی منہ کھولے عباد کی داستان سن رہی تھی۔
اسے لگتا تھا کہ زندگی کی سب سے مشکل کہانی وہی تھی جو اس پر گزری، لیکن عباد کی محبت بھری داستان سننے کے بعد اسے احساس ہوا کہ زندگی صرف اپنی کہانی تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ یہ اس سے کہیں زیادہ وسیع اور گہری چیز ہے۔
جی تو محترمہ، اب بتائیں کیسی ہیں آپ؟" اس نے رانی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، ساتھ ہی وہ دھیمی دھیمی ہنسی بھی ہنس رہا تھا۔
اس کی حالت سے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی روح بھی آج سرشار ہے۔
رانی نےانگلی سے اندر دیوار پر لگی تصویروں کی طرف اشارہ کیا، کیونکہ اس بارے میں ابھی تک عباد نے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا، وہ..." اس نے بھی اسی کی طرح بات کو لمبا کھینچ کر کہا، "بس جب بھی تم لوگوں کا کوئی اسکول یا کالج کا ایونٹ ہوتا تھا، میں وہاں زاہد یعنی شافی کے بھائی کے ساتھ ضرور شامل ہوتا تھا۔"

"کیا سچ میں؟
ہممم..."

وہ یہ تو جانتی تھی کہ عباد اور زاہد بچپن سے بہترین دوست ہیں، لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے تب سے ملتا بھی رہا ہے۔
نہ صرف ملتا رہا، بلکہ ان کے اسکول اور کالج کے ایونٹس میں بھی باقاعدگی سے شریک ہوتا رہا تھا۔
"تو اگر آپ وہاں آتے تھے تو کبھی گاؤں کیوں نہیں آئے؟
ہمارے سامنے کیوں نہ آئے؟ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے؟"
وہ یہ کہتے کہتے رک گئی۔ "کہ آپ تو مجھ سے وعدہ کر کے گئے تھے، پھر آئے کیوں نہیں؟"

"اچھا سوال ہے۔" عباد نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا۔

"میں ڈرتا تھا۔"

"لیکن کس سے؟" اس نے فوراً سوال کیا۔ "آخر کس کا ڈر تھا جو اسے رانی سے ملنے سے روکتا تھا؟"

"تم سے..."

"مجھ سے؟" رانی نے حیرانی سے انگلی اپنے سینے پر رکھتے ہوئے پوچھا، گویا دوبارہ یقین کرنا چاہ رہی ہو کہ کیا واقعی۔

"ہاں، تم سے۔
بس میں تمہارے سامنے آنے سے ڈرتا تھا۔
میں نہیں دیکھ سکتا تھا کہ تم میرے علاوہ کسی اور سے دوستی کر لو یا کسی اور کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔
ہاں، تمہاری زندگی تھی، میں تمہیں کنٹرول نہیں کر سکتا تھا، نہ ہی کرنا چاہتا تھا۔
لیکن بس میں یہ سب نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

"تو پھر آپ ایونٹس میں کیوں آتے تھے؟"
بس خود کو روک نہیں پاتا تھا۔
تمہیں نہیں روک سکتا تھا تو خود کو بھی تو سمجھا نہیں سکتا تھا۔
یہ میرے بس کی بات نہیں تھی، بس دیکھنے چلا آتا تھا۔ اتنا تو میں کر ہی سکتا تھا نا۔"

ساتھ ہی اس نے آنکھیں دو دفعہ جھپکا کر معصوم سا بننے کی کوشش کی، جو اس وقت رانی کو بالکل بھی معصوم نہیں لگ رہا تھا، بلکہ اسے اس پر غصہ آ رہا تھا۔

"اتنے انتظار کے سولی پر لٹکا کر اب تم معصومیت دکھا رہے ہو؟ کیا سمجھ رہے ہو، میں تمہیں معاف کر دوں گی؟"

"اگر آپ کے نہ آنے کی وجہ سے میں واقعی آپ کو بھلا دیتی تو پھر؟" یہ بات سوال نہیں تھا، بلکہ گلہ اور شکوہ تھا۔

"ہممم..."

"بس پھر میں صحیح وقت کے انتظار میں بیٹھا رہ جاتا۔
اور وہ صحیح وقت کب آیا؟"

یہ سوال کرتے ہوئے وہ بالکل نئی نویلی دلہن تو نہیں لگ رہی تھی،اچانک اس کے اندر جیسے بیوی والی سنجیدگی آ گئی ہو۔

"جب مجھے زاہد نے تمہارے لیے آئے ہوئے رشتے کے بارے میں بتایا تھا، وہ رات مجھ پر بہت بھاری گزری۔
وہ انتظار بہت شدید تھا۔
بس وہ ایک رات ہی میرے بس سے باہر تھی، اس لیے اگلی ہی صبح میں گاؤں کے لیے نکل گیا تھا۔"

"تب ڈر نہیں لگا تھا کیا؟" رانی نے خفا ہوتے ہوئے پوچھا۔

اب ساری زندگی اسے رانی کی خفگی سہنی پڑنے والی تھی، لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے اسے یہ خفگی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔

"ڈر تو لگ رہا تھا۔

سوچ رہا تھا کیا کروں، کیا کہوں تم سے۔
لیکن ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ میڈم صاحبہ اوپر سے تشریف لے آئیں۔ اور مجھے لگ رہا تھا کہ شاید آپ مجھے پہچانیں گی بھی نہیں۔
لیکن آپ تو آرام سے آ کر میرے پاس بیٹھ گئیں اور مجھے گھورنے لگیں۔ ابھی میں اس صدمے سے نکلا بھی نہیں تھا کہ آپ کی گفتگو نے میرے چودہ طبق روشن کر دیے۔"

"اچھا ٹھیک ہے، آپ اسے گفتگو نہ کہیں۔" رانی نے خفت مٹاتے ہوئے نظریں جھکا کر کہا۔

"جی جی، آپ کا ارشاد کہہ لیتے ہیں۔"

"بس وہ سننے کی دیر تھی، پھر تو مجھے کسی چیز کی پریشانی ہی نہ رہی۔
پتہ نہیں کب اور کیسے سب کچھ ہو گیا، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔"

"اچھا جی!
ہاں جی!
ویسے رانی، تم پہلی دلہن ہو گی جو چھ گھنٹے سے مسلسل شوہر کی کلاس لے رہی ہے۔
یہ باتیں تو بعد میں بھی ہو سکتی تھیں۔"

رانی نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ واقعی عقل بیچ آیا ہو ہو۔
وہ اتنے اہم موضوع کو فضول باتیں کہہ رہا تھا۔
اسی وقت رانی کو اندازہ ہو گیا کہ عباد اسے زندگی بھر اسی طرح تنگ کرتا رہے گا۔ خیر، یہ الگ بات ہے کہ وہ بھی اس نوک جھونک سے اکتانے والی نہیں تھی۔

"تمت بالخیر"

جب بھی زندگی میں کچھ مانگیں تو اس امید اور یقین کے ساتھ مانگیں کہ آپ انسانوں سے نہیں مانگ رہے، جو آپ کو آپ کی محبتوں، وفا اور انتظار کا صلہ نا دے سکیں۔
آپ اپنے رب سے مانگ رہے ہیں، جس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ جب کمی نہیں ہے تو اس سے اس کے خزانوں میں سے مانگیں۔

آپ ایک ایسے رب سے مانگ رہے ہیں جس کے خزانے دنیا کے ہر انسان کی سوچ سے کہیں زیادہ ہیں۔

بس جب بھی مانگیں، اس یقین سے مانگیں کہ جو آپ مانگ رہے ہیں وہ آپ کو ضرور ملے گا۔ ہاں، انتظار لمبا ہو سکتا ہے کیونکہ خیر کا اپنا وقت ہوتا ہے، لیکن خیر میں دیر ہو سکتی ہے، اندھیر نہیں ہوتا۔

اس لیے جب بھی مانگیں، دل کھول کر مانگیں۔
اپنے لیے خیر مانگیں۔ اور اگر کبھی خیر میں زیادہ دیر ہو جائے تو یاد رکھیں ہم انسان ہیں، شکوہ زبان پر آ ہی جاتا ہے، لیکن شکر بھی تو ہمیں اپنی زبان سے ہی ادا کرنا ہوتا ہے۔